© rasailojaraid.com

نظم قرآن اور اس کا ارتقاء - ایک تاریخی تجزیہ

نسیم ظہیر اصلاحی

قرآن مجید میں نظم و ترتیب کا مسئلہ ہمیشہ موضوع بحث و گفتگو رہا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ نہ صرف ایک مربوط اور منظم کتاب ہے، بلکہ اپنے نظم و ترتیب کے اعتبار سے ایک معجزانہ کلام ہے۔ وہ تمام ادبی محاسن کا جامع اور اس کی ہر آیت علوم و معارف کا ابلتا ہوا چشمہ ہے۔ اس نے عربوں کے مذاق کلام اور اسالیب بیان کی رعایت تو ضرور کی مگر اپنی جدت طرازی، جامعیتِ معانی اور اثر آفرینی کے ایسے نئے نئے جلوے دکھلائے کہ اہل عرب جنھیں اپنی زبان دانی اور زور بیانی پر بڑا ناز تھا، حیران و ششدر ہو کر رہ گئے اور اس سے معارضہ کی جرأت نہ کر سکے۔ لیکن اس کا یہ کمال بعد والوں کے لیے بے ترتیبی کا شکار نظر آنے لگا۔ حالانکہ کلام جب حد درجہ ایجاز و اختصار کا حامل ہو اور فصاحت و بلاغت کے منتہائے کمال کو پہنچا ہوا ہو تو اس میں بکثرت محذوفات اور حسن تخلص کے نادر استعمالات ہوں گے۔ اس لیے ان محذوفات کو سمجھنے اور کلام کی کڑیوں کو باہم جوڑنے کے لیے غور و تدبر کی ضرورت ہوگی۔ اسی لیے قرآن مجید بار بار تدبر و تفکر کی دعوت دیتا ہے:

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا۔ (محمد/۲۴)

چنانچہ جن علماء نے اس پہلو سے قرآن مجید پر غور و تدبر کیا، انھیں ان روابط کا علم حاصل ہوا جن سے قرآنی آیات و سور کا باہمی تعلق قائم ہوتا ہے۔ اور انھوں نے برملا یہ شہادت دی کہ نہ صرف قرآن مجید کے الفاظ بلکہ اس کی آیتیں اور سورتیں بھی تراشے ہوئے نگینوں کی طرح اپنی اپنی جگہ اس طرح جڑی ہوئی ہیں کہ ان میں سے کسی ایک چیز کو بھی ادھر ادھر کر دینے سے کلام کا سارا حسن غارت ہو جائے گا۔ ان علماء نے اپنی اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دریافت کو "علم المناسبۃ" کا نام دیا ہے۔ آگے چل کر اسی کو نظم القرآن یا نظام القرآن کے نام سے موسوم کیا گیا۔

نظم، نظام اور مناسبت کا معنی

عربی زبان میں نظم کے معنی تالیف و ترتیب اور ایک چیز کو دوسری چیز سے ملانے اور اس میں ضم کرنے کے ہیں مثلاً نظمت اللؤلؤ کا معنی ہوگا "موتی کو لڑی میں پرودیا"۔ "تنظیم" بھی اسی کا ہم معنی لفظ ہے۔ اسی سے "نظمت الشعر" (میں نے شعر نظم کیا) بنا ہے[1]۔ کلام کی ترتیب و تالیف کے لیے نظم الکلام بولتے ہیں۔ کسی اچھی ترتیب کے لیے هذا نظم حسن کہا جاتا ہے[2]۔

گویا نظم کا مطلب ہے ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ اس طرح ملانا اور ترتیب دینا جیسے موتی کے دانے ایک خاص انداز و ترتیب سے دھاگے میں پرودیے جاتے ہیں کہ ان کا مجموعہ حسن و دلکشی کا پیکر بن جاتا ہے۔ جو علماء قرآن مجید میں نظم و ترتیب کے قائل ہیں ان کے نزدیک نظم کا یہی معنی مراد ہوتا ہے۔

مولانا حمیدالدین فراہیؒ "نظم" کے بجائے "نظام" کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ لفظ نظم جس طرح "نظم ینظم" کا ایک مصدر ہے، اسی طرح لفظ نظام بھی اس کا ایک مصدر ہے۔ اس کے علاوہ "نظام" ایک مستقل لفظ ہے، جسے لغت میں اس شیرازے یا دھاگے کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ موتی یا اس جیسی چیزوں کو ترتیب کے ساتھ پرودیا جاتا ہے۔ النظام کل خیط ینظم به لؤلؤ و نحوه[3]۔ جب کوئی چیز غیر مرتب اور بے ضابطہ ہو تو اس کے لیے "لیس لامره نظام" بولتے ہیں[4]۔ اس اعتبار سے نظام کا مطلب ہوگا رابطہ کی وہ چیزیں جن سے مختلف چیزوں یا کلام کے مختلف اجزاء میں ایسا ربط و اتصال پیدا ہو جو حسن و رعنائی کا موجب بنے۔ چنانچہ علامہ بدرالدین زرکشیؒ اور جلال الدین سیوطیؒ نے قدیم اصطلاح یعنی "مناسبت" کا اصطلاحی مفہوم کچھ ایسا ہی بیان کیا ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

المناسبة في اللغة المشاكلة والمقاربة ومرجعها في الآيات ونحوها إلى معنى رابط بينها۵۔

مناسبت کا لغوی معنی ہم شکل اور باہم قریب ہونے کے ہیں اور آیات قرآنی کے اعتبار سے ربط وتعلق کی وہ چیزیں مراد ہیں جو آیات کے درمیان نظم و ربط پیدا کرتی ہیں۔

علامہ برہان الدین بقاعیؒ "مناسبت" کی تعریف یوں کرتے ہیں:

فعلم مناسبات القرآن علم تعرف به علل ترتيب اجزائه٦۔

علم مناسبت ایک ایسا علم ہے جس کے ذریعہ قرآن مجید کے اجزا کی ترتیب کے اسباب وعلل معلوم ہوتے ہیں۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ مولانا فراہی کی اختیار کردہ اصطلاح، سابقہ دونوں اصطلاحات نظم القرآن اور مناسبت فی القرآن کی جامع ہے۔ چنانچہ وہ نظام کی تعریف اس طرح کرتے ہیں:

"یہ جان لو کہ نظام سے ہماری مراد یہ ہے کہ ہر سورہ کا ایک خاص تشخص ہو۔ کیونکہ سورہ کے مضامین جب ایک دوسرے سے بالکل مربوط ہوں گے اور وہ تمام مضامین ایک ہی مرکزی نقطے (عمود) ہی کی طرف بڑھ رہے ہوں گے اور کلام میں وحدت کا رنگ نمایاں ہو جائے گا تو اس صورت میں وہ سورہ اپنے مستقل تشخص کے ساتھ سامنے آجائے گی اور جب تم آیات پر اس انداز سے نظر ڈالو گے تو اس وقت ان کا جمال واستحکام اور ان کی آب وتاب تمہارے سامنے آئے گی"٦الف۔

ضرورت واہمیت

اس علم کی ضرورت و اہمیت اس لیے بڑھ جاتی ہے کہ قرآن مجید کی موجودہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ترتیب نزولی نہیں بلکہ توقیفی ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام، نبی کریم ﷺ کے پاس جب کوئی آیت یا مجموعہ آیات لے کر آتے تو وہ نبی ﷺ کو یہ بھی بتاتے کہ اسے کس سورہ میں اور کس جگہ رکھنا ہے۔ چنانچہ اس طرح کی بعض احادیث نقل کرنے کے بعد علامہ خازنؒ لکھتے ہیں:

نثبت بمجموع هذه الاحاديث ان القرآن كان على هذا التاليف والجمع فى زمن رسول الله ﷺ ۷؎

ان تمام احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید نبی ﷺ کے عہد میں بھی اسی ترتیب وتالیف کے ساتھ تھا۔

علامہ بغویؒ لکھتے ہیں:

ان الصحابة: رضى الله عنهم جمعوا بين الدفتين القرآن المنزل من غير زيادة ولا نقص ...... كما سمعوه من رسول الله ﷺ من غير ان قدموا شيئا او اخروا وكان رسول الله ﷺ يلقن اصحابه و يعلمهم ما ينزل عليه من القرآن على الترتيب الذى هو الآن فى مصاحفنا بتوقيف جبرئيل اياه على ذلك واعلامه عند نزول كل آية ان هذه الآية تكتب عقب آية كذا فى سورة كذا ۸؎

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآن مجید کو بین الدفتین بغیر کسی کمی زیادتی کے اسی طرح جمع کیا ہے جیسے نبی ﷺ سے سنا تھا نہ کچھ مقدم کیا نہ کچھ مؤخر۔ نبی ﷺ صحابہ کو اسی ترتیب کے مطابق قرآن لکھنے کی تعلیم و تلقین فرماتے تھے، جو آج ہے۔ اس لیے کہ جبرئیل علیہ السلام ان کو یہی ترتیب بتاتے تھے اور ہر آیت کے نزول کے وقت ان کو بتاتے کہ یہ آیت فلاں آیت کے بعد اور فلاں سورہ میں لکھی جائے گی۔

ابوبکر ابن الانباریؒ کہتے ہیں:

انزل الله القرآن كله إلى سماء الدنيا ثم فرقه فى بضع وعشرين

اللہ تعالیٰ نے مکمل قرآن سمائے دنیا پر نازل فرمایا پھر بیس سال سے زائد عرصہ میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فكانت السورة تنزل لامر يحدث والآية لمستخبر ويقف جبرئيل عليه السلام على موضع السورة والآية فاتساق السور كاتساق الآيات والحروف كله عن النبي ﷺ فمن قدم سورة اواخرها فقد افسد نظم الآيات ۹۔

متفرق طور پر اتارا۔ کوئی بات پیش آنے پر کوئی سورہ نازل ہوتی، کسی سوال کے جواب میں کوئی آیت اترتی اور حضرت جبرئیل علیہ السلام سورہ اور آیت کا موقع بتاتے کہ اسے کہاں رکھا جائے گا۔ پس سورتوں کا اتصال ایسا ہی ہے جیسے آیات و حروف کا اتصال اور یہ سب نبی ﷺ کے حکم و ایماء کے مطابق ہے۔ اس لیے اگر کسی نے کوئی سورہ مقدم یا موخر کردی تو اس نے آیات کا نظم بگاڑ دیا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ترتیب نزولی سے الگ دوسری ترتیب کے ساتھ قرآن کا مرتب ہونا حکم خداوندی کی بنا پر ہے اور اس میں معنوی نظم کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ حالانکہ نزولی ترتیب حفظ و یادداشت کے اعتبار سے زیادہ مناسب تھی۔ سورتوں کے اول و آخر یا درمیان میں آیات کا اضافہ یا سورتوں کے بیچ میں نئی نئی سورتوں کی شمولیت حفاظ و کاتبین قرآن پر کتنی شاق پڑتی رہی ہوگی ہم اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ مگر اس زحمت و مشقت کو صرف اس لیے روا رکھا گیا تا کہ قرآن مجید کی ترتیب اہل زبان کے معیار ذوق و مزاج کے مطابق حسن ترتیب کا بے مثال نمونہ ہو، حکم و معارف کا خزینہ ہو اور فصاحت و بلاغت کے اس منتہائے کمال کو پہنچی ہوئی ہو جس کا تصور بھی بڑے بڑے شاعر و خطیب اور ماہر ادیب نہ کر سکیں۔ اور اس اعتبار سے وہ معجزہ قرار پائے۔ چنانچہ بہت سے علماء نے یہ تصریح کی ہے کہ قرآن مجید کا اعجاز اس کے نظم میں پوشیدہ ہے۔ امام فخر الدین رازی اس سلسلہ میں سب سے پیش پیش ہیں۔ سورہ بقرہ کے متعلق وہ لکھتے ہیں:

من تأمل فى لطائف نظم هذه السورة وفى بدائع ترتيبها علم ان

جو شخص اس سورہ (بقرہ) کے نظم کے لطائف پر اور اس کی ترتیب کے بدائع پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

القرآن كما انه معجز بحسب فصاحة الفاظه وشرف معانيه فهو ايضا معجز بحسب ترتيبه ونظم آياته ولعل الذين قالوا انه معجز باسلوبه ارادوا ذلك۔۱۰

غور کرے گا اسے معلوم ہو جائے گا کہ جس طرح قرآن مجید اپنے الفاظ کی فصاحت اور معانی کی بلندی کے سبب معجزہ ہے، اسی طرح اپنی ترتیب اور نظم آیات کی وجہ سے بھی معجزہ ہے۔ جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ قرآن اپنے اسلوب کے لحاظ سے معجزہ ہے شاید ان کی مراد بھی یہی ہے۔

آیتوں اور سورتوں کے چھوٹی بڑی ہونے کا راز بھی یہی ہے۔ علامہ بدرالدین زرکشیؒ کہتے ہیں کہ اگر تم کہو کہ کتب سابقہ کو قرآن کی طرح چھوٹی بڑی سورتوں میں کیوں نہیں تقسیم کیا گیا؟ تو میں کہوں گا:

لانها لم تكن معجزات من ناحية النظم والترتيب۔۱۱

یعنی اس لیے کہ وہ نظم و ترتیب کے لحاظ سے معجزہ نہیں تھیں۔

نظم کی اسی اہمیت کی بنیاد پر علامہ زمخشری فرماتے ہیں:

من حق مفسر كتاب الله الباهر وكلامه المعجز ان يتعاهد في مذاهبه بقاء النظم على حسنه۔۱۲

اللہ کی روشن کتاب اور اس کے معجزانہ کلام کے مفسر پر لازم ہے کہ وہ اپنے طریقۂ تفسیر میں اس کے حسن نظام کو پوری طرح باقی رکھنے کی لازماً کوشش کرے۔

آغاز و ارتقا

یوں تو اس کا باقاعدہ ظہور تیسری صدی ہجری سے بظاہر نظر آتا ہے مگر بعض آثار و روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات صحابہؓ و تابعینؒ کے یہاں بھی نظم و تناسب کا تصور پایا جاتا تھا اور وہ فہم قرآن میں اس سے مدد لیتے تھے۔ مشہور تابعی حضرت مسلم بن یسارؒ اپنے والد کا قول نقل کرتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اذا حدثت عن الله حدیثا فقف حتی تنظر ما قبله و مابعده۔[۱۳]

جب تم کسی آیت کا مفہوم بیان کرنا چاہو تو ذرا رک کر اس کے ماقبل و مابعد کی آیات پر غور کر لو۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے:

اذا سأل احدکم صاحبہ کیف یقرأ آیة کذا و کذا ، فلیسألہ عما قبلھا[۱۴]۔

اگر کوئی پوچھے کہ فلاں آیت کس طرح پڑھی جائے تو سائل سے یہ پوچھا جائے کہ اس سے پہلے کونسی آیت ہے؟

اس کا مطلب یہ ہے کہ ماقبل والی آیت پر غور کیا جائے گا تو دونوں کا باہمی نظم، آیت مسئول عنہا کے انداز قرأت کا پتہ دے گا۔

حضرت ابوسعید خدریؓ نے ایک موقع پر فرمایا کہ: کچھ لوگ جہنم میں ڈالے جانے کے بعد پھر نکال لیے جائیں گے۔ تو اہل مجلس نے ان کی بات سے اختلاف کرتے ہوئے قرآن مجید کی یہ آیت پیش کی:

یُرِیْدُونَ أَن یَخْرُجُواْ مِنَ النَّارِ وَمَا هُم بِخَارِجِینَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِیمٌ۔ (المائدۃ/۳۷)

وہ جہنم سے نکل جانا چاہیں گے حالانکہ وہ اس سے نکلنے والے نہیں ہیں اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے۔

اس پر ابوسعید خدریؓ نے فرمایا: ذرا اوپر والی آیت پڑھو، جو یہ ہے:

إِنَّ الَّذِینَ كَفَرُواْ لَوْ أَنَّ لَهُم مَّا فِی الأَرْضِ جَمِیعاً وَمِثْلَهُ مَعَهُ لِیَفْتَدُواْ بِهِ مِنْ عَذَابِ یَوْمِ الْقِیَامَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِیمٌ۔ (المائدۃ/۳۶)[۱۵]

اگر کافرین کے پاس وہ سب کچھ ہو جو دنیا میں ہے اور اس کے ساتھ اتنا اور ہو تا کہ قیامت کے عذاب سے بچنے کے لیے بطور فدیہ ادا کریں تو ان کا یہ فدیہ قبول نہ ہوگا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

یہ چند مثالیں اس امر کے ثبوت کے لیے کافی ہیں کہ صدر اول میں بھی نظم و تناسب کا تصور موجود تھا اور آیات کا مفہوم ومنشا سمجھنے کے لیے ان کے سیاق وسباق اور نظم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کلام کو دیکھا جاتا تھا۔

قرآن مجید عربوں کی زبان میں اترا تھا اور انہی کے اسالیب و محاورات اور تشبیہات واستعارات استعمال کرتا تھا، گو اپنی جدت طرازی اور ندرت پسندی سے ان کے مروجہ اسالیب بیان میں ایسی دلکشی، تازگی اور نیاپن پیدا کر دیا، جسے دیکھ کر عرب مبہوت ہو گئے، مگر وہ اس کو اچھی طرح سمجھتے تھے اور اس کی لذت و شیرینی سے محظوظ بھی ہوتے تھے۔ کیونکہ قرآن نے ان کے لطیف اور اعلیٰ ذوق و مزاج کی تسکین کا بھرپور سامان فراہم کرتا تھا۔ زمانۂ نزول کے احوال، مخاطبین کے معاملات اور ان کی مزاجی، اخلاقی اور سماجی کیفیات سے وہ پوری طرح واقف تھے بلکہ وہی اس کے مخاطب اول تھے۔ اس لیے قرآن ہر پہلو سے ان کے لیے آسان اور قابل فہم تھا۔ اس کا اعجاز ان پر پوری طرح عیاں تھا۔ بحیثیت کلام کسی پہلو سے مشکل یا قابل اعتراض نہ تھا۔ نہ اپنے اسلوب و الفاظ کے لحاظ سے نہ اپنے معنی و مفہوم کے اعتبار سے اور نہ نظم و ترتیب کی جہت سے۔ اس لیے قرآن فہمی کے لیے انھیں کسی خاص اصول اور طریقے کی ضرورت نہیں تھی۔ اور جب تک یہ قدیم ادبی ولسانی ذوق باقی رہا اور زمانۂ نزول کے احوال و کیفیات ذہنوں میں مستحضر رہیں قرآن فہمی میں کوئی دقت پیش نہ آئی۔

البتہ دوسری صدی ہجری کے وسط سے جب فلسفہ اور علوم طبیعی کی کتابوں کے تراجم سریانی، یونانی اور پہلوی زبانوں سے عربی میں منتقل ہونے لگے تو ان کی وجہ سے تصنیف و تالیف کے نئے نئے انداز سے اہل عرب متعارف ہونے لگے۔ مختلف عجمی ثقافتوں سے عربی فکر متاثر ہونے لگی، روشن خیالی اور عقلیت پسندی کا رجحان بڑھنے لگا۔ اب قرآن مجید کا اعجاز زیر بحث آیا۔ ابن مقفع، بشار بن برد، صالح بن عبدالقدوس اور عبدالحمید الکاتب جیسے آزاد خیال ادباء اور نثار سامنے آئے، جنھوں نے قرآن مجید سے معارضہ کی ٹھانی اور زندیق کہلائے۔ مختلف کلامی اور فقہی مذاہب کی داغ بیل پڑی۔ اسی زمانہ میں معتزلہ کا ظہور ہوا، جن کی طرف سے اعجاز قرآن کی بحث میں ''نظریۂ صرفہ'' پیش کیا گیا۔

اعجاز قرآن کی اس بحث میں سب سے اہم مسئلہ یہ تھا کہ محل اعجاز کیا ہے؟ عام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خیال تو یہ تھا کہ محل اعجاز اس کا نظم ہے۔لیکن معتزلہ کو اس کے نظم میں کوئی خاص بات نظر نہ آئی۔انھوں نے نظم کے بجائے ''صرفہ'' کا تصور پیش کیا۔ان کے نزدیک قرآن کا اعجاز یہ ہے کہ فصحائے عرب قرآن مجید سے معارضہ کی استطاعت تو رکھتے تھے،لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو بالفعل ایسا کرنے سے روک رکھا تھا۔اعجاز قرآن کی یہ تعبیر ''صرفہ'' کے نام سے مشہور ہے۔لیکن معتزلہ کے اس خیال سے کم ہی لوگ متفق ہوئے۔زیادہ تر علماء نظم ہی کو قرآن کا اعجاز خیال کرتے رہے۔حاصل یہ کہ پہلے پہل دوسری صدی ہجری کے وسط سے نظم قرآن پر بحث کا باقاعدہ آغاز ہوا۔

نظم قرآن دوسری تیسری صدی ہجری میں

ابن ندیم نے اپنی الفہرست میں شیخ قطرب (متوفی ۲۰۶ھ) کی ایک تصنیف ''کتاب معانی القرآن'' کا تذکرہ کیا ہے۱۵الف۔اس کتاب کے بارے میں احمد امین نے لکھا ہے:

> ''شیخ نے اس کو بعض آیات قرآنی کے درمیان نظر آنے والے تعارض وتناقض کو دور کرنے کے لیے لکھا تھا مثلاً آیت کریمہ فَلَآ اَنۡسَابَ بَيۡنَهُمۡ يَوۡمَئِذٍ لَا يَتَسَآءَلُوۡنَ اور آیت کریمہ وَاَقۡبَلَ بَعۡضُهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ يَّتَسَآءَلُوۡنَ جیسی آیات متعارضہ کے درمیان توافق پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے''۱۶۔

یہ کتاب موضوع زیر بحث کی سب سے پہلی کتاب ہے مگر مشہور یہ ہے کہ ابو عبیدہ معمر بن المثنی (متوفی ۲۰۹ھ) کی ''کتاب المجاز'' سب سے پہلی کتاب ہے جس میں انھوں نے قرآن کی عربیت خالصہ کو کلام عرب کی روشنی میں ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

ابو عبیدہ بمجازہ فتح الطریق لدراسات بلاغیة تهدف إلى بيان الاعجاز القرآنی من طریق نظمه وتالیفه۱۷۔	ابوعبیدہ نے اپنی کتاب ''مجاز'' کے ذریعہ بلاغی مباحث کا دروازہ کھولا جن کا مقصد نظم قرآن اور تالیف قرآن کے اعتبار سے قرآنی اعجاز کا اثبات وبیان ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس دور کے مشہور نحوی عالم فراء دیلمی (متوفی ۲۰۷ھ) نے بھی ابو عبیدہ کے نہج و انداز کے مطابق وجوہ نظم اور بلاغی مباحث پر مشتمل ایک تفسیر "معانی القرآن" لکھی ۱۸۔

ان تینوں ابتدائی تصانیف میں قرآن کا اعجاز اس کے نظم ہی کو قرار دیا گیا ہے۔ تاہم ان کے مصنفین نے اپنے اس فکر و خیال کو کسی نام سے موسوم نہیں کیا۔ تیسری صدی ہجری کا مشہور معتزلی عالم الجاحظ (متوفی ۲۵۵ھ) پہلا شخص ہے جس نے اس فکر کو "نظم القرآن" کا نام دیا۔ جاحظ نے اپنے استاذ ابراہیم نظام (متوفی ۲۲۳ھ) کے نظریہ اعجاز "صرفہ" کی تردید میں اپنی کتاب "نظم القرآن" لکھ کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ قرآن کا اعجاز اس کے نظم میں پوشیدہ ہے ۱۹۔

زیر بحث موضوع پر لکھی جانے والی مشہور کتاب ابن قتیبہ (متوفی ۲۸۶ھ) کی تاویل مشکل القرآن ہے۔ اس کتاب کے بعد یہ خیال عام اور پختہ ہوا کہ قرآن کا اصل اعجاز اس کے نظم اور بلاغت اسلوب میں پنہاں ہے۔

جاحظ اور ابن قتیبہ کے بعد اس موضوع پر اور بھی متعدد کتابیں "نظم القرآن" ہی کے نام سے لکھی گئیں۔ مگر جاحظ کی نظم القرآن کی طرح یہ بھی دست برد زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکیں۔

مذکورہ علماء نے "نظم القرآن" کے عنوان سے یہ جو بحث چھیڑی تو اس کا تعلق آیات و سور کے معنوی ربط و تعلق اور ان کی موضوعی وحدت سے نہ تھا۔ بلکہ ان کا زور الفاظ کے حسن انتخاب، ان کے دروبست، تراکیب کی بندش، جملوں کی سبک خرامی، قوافی کی نغمگی، استعارات و تشبیہات اور امثال و محاورات کی ندرت و دلکشی پر تھا۔ وہ الفاظ و آیات پر الگ الگ محض ادبی و بلاغی نقطۂ نظر سے گفتگو کرتے تھے۔ جملوں کی تالیف اور مفرد مضامین کی لفظی و معنوی خوبیاں ہی ان کی بحث و گفتگو کا مرکز تھیں۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ عربی زبان میں ایک نئے فن "فن بلاغت" کی داغ بیل پڑ گئی جو پانچویں صدی ہجری میں علامہ عبدالقاہر جرجانی (متوفی ۴۷۱ھ) کے یہاں ایک مستقل فن کی شکل میں مدون ہوا۔ لیکن ارتباط مضامین اور نظم آیات پر ابھی تک کوئی خاص توجہ نظر نہیں آتی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چوتھی صدی ہجری

چوتھی صدی ہجری کے آغاز تک قدیم عربی ذوق بہت کچھ بدل چکا تھا۔ اب عربی انداز خطاب سے ہٹ کر عجمی طرز تصنیف کے مطابق قرآن مجید پر غور کیا جانے لگا اور بُعدِ زمانی کے سبب زمانۂ نزول کے احوال و واقعات بھی ذہنوں سے محو ہونے لگے۔ اس لیے مختلف آیات کے درمیان لطیف ربط و تعلق کا سمجھنا مشکل ہونے لگا۔ چنانچہ آیتوں اور سورتوں کے مابین باہمی نظم و ربط کے متعلق سوالات سب سے پہلے اسی صدی میں زیادہ شدت سے اٹھائے گئے۔

اس صدی میں سب سے پہلے ہماری نظر مشہور مفسر قرآن علامہ ابن جریر طبریؒ (متوفی ۳۱۰ھ) پر پڑتی ہے۔ وہ اپنی شہرۂ آفاق تفسیر میں جابجا نظم سے بحث کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کا خاص امتیاز سلف کے اقوال و روایات کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں جمع کر دینا ہے۔ مگر جس طرح وہ الفاظ، اسالیب اور محاورات سے تعرض کرتے ہوئے شعراء جاہلیت سے بکثرت استشہاد کرتے ہیں، اسی طرح اظہار نظم کا بھی اہتمام کرتے ہیں اور بسا اوقات نظم کلام اور سیاق و سباق سے میل کھانے والے مفہوم ہی کو ترجیح دیتے ہیں اور اس کے خلاف پڑنے والے اقوال و روایات کو نظر انداز کر دیتے ہیں کیونکہ وہ بھی نظم ہی کو قرآن مجید کا اعجاز و امتیاز قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

من اشرف تلک المعانی فضل بها کتابنا سائر الکتب قبله، نظمه العجیب ووضعه الغریب وتالیفه البدیع الذی عجزت عن نظمه مثل اصغر سوره الخطباء[۲۰]۔

ہماری کتاب (قرآن مجید) کو جن اعلیٰ و اشرف معانی کی بنا پر اپنے ماقبل تمام کتب سماوی پر فضیلت حاصل ہے، قرآن کا وہ دلچسپ نظم، انوکھی وضع اور نادر تالیف ہے جس کی چھوٹی سے چھوٹی سورہ کی مثال پیش کرنے سے عرب کے بڑے بڑے خطباء عاجز رہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علامہ بدرالدین زرکشیؒ کے مطابق اس صدی میں شیخ ابوبکر نیشاپوری (متوفی ۳۲۶ھ) نے سب سے پہلے نظم آیات وسور کے متعلق سوالات اٹھائے اور ایک جدید انداز سے مطالعہ وتدریسِ قرآن کا دروازہ کھولا۔ ان کے سامنے جب کوئی آیت پیش کی جاتی تو پہلے وہ یہ پوچھتے کہ اسے فلاں آیت کے پہلو میں کیوں رکھا گیا ہے؟ وہ نظم کو اس قدر اہمیت دیتے تھے کہ اپنے عہد کے علماء بغداد پر اس لیے طعن کرتے تھے کہ ان کو نظم سے کوئی دلچسپی نہیں تھی ۲۱۔ ان کا قول ہے:

ان اعجاز القرآن لم یرجع الا إلی هذه المناسبات الخفیة والقویة بین آیاته وسوره حتی کان القرآن کله کالکلمة الواحدة ترتیبا وتماسکا ۲۲۔	قرآن مجید کے اعجاز کا تعلق آیتوں اور سورتوں کے خفی مگر قوی ربط ومناسبت سے ہی ہے اور یہ ربط وتعلق ایسا ہے کہ گویا پورا قرآن اپنی ترتیب اور اجزا کے باہمی تعلق کے پہلو سے کلمہ واحدہ ہے۔

گویا شیخ نیشاپوری نظم وترتیب ہی کو قرآن کا اعجاز مانتے ہیں اور اسے اس حد تک مربوط ومنظم تسلیم کرتے ہیں کہ گویا وہ کلمہ واحدہ ہے۔

اُس عہد کے ایک اور عالم ابوالفرج احمد بن مقری ہمدانی (متوفی ۴۰۰ھ) کو یہ شرف حاصل ہے کہ انھوں نے خاص اسی موضوع پر ایک مستقل کتاب "علم المناسبة" کے نام سے تصنیف کی۔ تاہم لغوی اور ادبی وبلاغی جہت سے بحث وگفتگو کا رجحان اب بھی غالب رہا اور بہت سے علماء نے اس پہلو سے نظم قرآن کو اپنا موضوع بنایا اور کتابیں تصنیف کیں مگر ہم ان کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف ایک عالم کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں۔

چوتھی صدی ہجری کے ایک معتزلی عالم قاضی ابوالحسن عبدالجبار الاسدآبادی (متوفی ۳۱۵ھ) ہیں۔ نظم قرآن کے تعلق سے تذکرہ نگار حضرات ان کا نام نہیں لیتے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے اپنی کتاب "المغنی فی ابواب التوحید والعدل" میں نظم سے متعلق بڑی اہم بحث کی ہے اور اپنے استاذ ابوہاشم الجبائی جو نظریہ نظم کے منکر ہیں، ان کے خیالات کی مدلل تردید کی ہے۔ قرآن مجید کے نظم وبلاغت اور کلام عرب سے اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی ہم آہنگی ثابت کرنے کے لیے جو اساسات اور بنیادیں انھوں نے فراہم کی تھیں انہی اساسات پر پانچویں صدی کے جید عالم عبدالقاہر جرجانی (متوفی ۴۷۱ھ) نے اپنی مشہور عالم کتاب ''دلائل الاعجاز'' تصنیف کی۔ جرجانی کا یہ نظریہ کہ بلاغت کلام کا اصل ماخذ نظم کلام ہے، دراصل اس کے موجد عبدالجبار الاسد آبادی ہیں۔ البتہ اس کی تشریح اور بہت سی تفصیلات و جزئیات کی تکمیل و تہذیب کا شرف بلاشبہ جرجانی کو حاصل ہے ۲۳۔

نظم قرآن بعد کی صدیوں میں

چھٹی صدی ہجری کے مشہور مفسر قرآن علامہ جاراللہ زمخشری (متوفی ۵۳۷ھ) نے اپنی تفسیر ''الکشاف'' میں ربط آیات کا بڑا اہتمام کیا اور اس فن کو بہت کچھ وسعت دی، یہاں تک کہ اس کو قرآنی بلاغت کا ایک اہم جزء قرار دیا۔ وہ مفسرین پر لازم قرار دیتے ہیں کہ وہ جو بھی طریقۂ تفسیر اختیار کریں مگر اس امر کو یقینی بنائیں کہ قرآن کا حسن نظام درہم برہم نہ ہونے پائے ۲۴۔ ان کا انداز تفسیر یہ ہے کہ سیاق کلام جس مفہوم پر دلالت کرتا ہے اسے اس جزم کے ساتھ بیان کرتے ہیں جیسے وہاں کوئی دوسرا مفہوم ہو ہی نہیں سکتا ۲۵۔

ابن عطیہ اندلسی (متوفی ۵۴۲ھ) نے بھی اپنی تفسیر ''المحرر الوجیز'' میں اعجاز قرآنی پر گفتگو کرتے ہوئے قرآن کے نظم کو نہ صرف اس کا اعجاز اصلی قرار دیا ہے بلکہ اسے قرآن کے کلام اللہ ہونے کے دلائل میں شمار کیا ہے۔ علامہ سیوطی نے ان کے اس خیال کو تفصیل سے پیش کیا ہے ۲۶۔

قاضی ابوبکر ابن العربی (متوفی ۵۴۳ھ) کو نظم قرآن سے بڑی دلچسپی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ وہ پہلے مفسر ہیں جنھوں نے یہ کہا کہ ''آیات قرآنی کے باہمی ربط و تعلق کو اس طرح سمجھنا کہ وہ مسلسل اور مربوط کلام بن کر کلمہ واحدہ کی طرح ہو جائے۔ معانی میں وسعت پیدا ہو جائے اور کلام مرتب و منظّم شکل میں نظر آئے۔ ایک عظیم علم ہے'' ۲۷ حالانکہ شیخ نیشاپوری (متوفی ۳۲۶ھ) کا یہ قول پہلے گذر چکا ہے ''کان القرآن کلہ کالکلمۃ الواحدۃ'' اس لیے اس نظریہ میں شیخ نیشاپوری کو ابن العربی پر تقدم حاصل ہے۔ بہرحال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابن العربی کا مزید بیان ہے:

''بجز ایک عالم کے کسی نے اس سے (نظم) تعرض نہیں کیا۔ انھوں نے سورہ بقرہ کا نظم پیش کیا۔ پھر اللہ نے مجھ پر اس کا دروازہ کھول دیا۔ لیکن چونکہ اس کے حاملین اور قدرداں نہیں ملے۔ لوگوں میں اس سے دلچسپی نظر نہیں آئی، اس لیے ہم نے اسے عام کرنے کے بجائے، اس کا معاملہ اپنے اور خدا کے درمیان رہنے دیا اور اسے اللہ کے سپرد کر دیا'' ۲۸۔

قاضی ابن العربی نے جس عالم کا نظم کے تعلق سے حوالہ دیا ہے، علامہ بقاعیؒ کے مطابق وہ ولی اللہ محمد بن احمد ملوی شافعی ہیں ۲۹۔ ان کا قول ہے کہ:

''قرآن کا کھلا ہوا اعجاز اس کا اسلوب اور حیرت انگیز نظم ہے...... اس لیے ہر آیت کے متعلق سب سے پہلے غور کرنے کی چیز یہ ہے کہ وہ ماقبل آیت کا تکملہ ہے یا اپنی جگہ پر مستقل آیت ہے؟ اگر وہ مستقل آیت ہے تو پہلے والی آیت سے اس کی مناسبت کیا ہے؟ یہ دریافت اپنے اندر علم وافر کا خزانہ رکھتی ہے۔ اسی طرح سورتوں کو بھی دیکھا جائے کہ ماقبل و مابعد کی سورتوں سے اس کے اتصال کی وجہ کیا ہے؟''۔ ۲۹الف

نظم کی بحث میں سب سے زیادہ پیش رفت ساتویں صدی ہجری میں اس وقت ہوئی جب امام فخر الدین رازی (متوفی ۶۰۶ھ) نے اپنی شہرۂ آفاق تفسیر ''مفاتیح الغیب'' تصنیف کی۔ اس میں انھوں نے نظم آیات پر خاص توجہ دی۔ ان کا مشہور قول ہے ''اکثر لطائف القرآن مودعة فی الترتیبات والروابط'' ۳۰ یعنی قرآنی حکمتوں کا بڑا خزانہ اس کے نظم و ترتیب میں پوشیدہ ہے۔ یہ ان محققین میں سے ہیں جو قرآن مجید کی ترتیب اور نظم آیات کو الفاظ و معانی کی طرح معجزہ قرار دیتے ہیں ان کی یہ رائے پیچھے گزر چکی ہے۔ وہ اس کے بھی قائل ہیں کہ ہر سورہ کا ایک مرکزی موضوع ہوتا ہے جو سورہ کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تمام مضامین کو جوڑ کر ان میں حسن واثر پیدا کرتا ہے۔ چنانچہ آیت کریمہ ولو جعلناہ قرآنا اعجمیا (حم السجدہ ۴۴/۴۴) کی تفسیر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"ہر وہ شخص جس میں انصاف ہوگا وہ دیکھ سکتا ہے کہ اگر اس آیت کی یہ تفسیر کی جائے جو ہم نے کی ہے تو یہ سورہ شروع سے آخر تک ایسے منظم کلام کی صورت میں ڈھل جاتی ہے جس میں ایک خاص موضوع پیش نظر رکھا گیا ہو اور یقیناً یہ تفسیر اس تفسیر سے کہیں بہتر ہوگی جو لوگ بیان کرتے ہیں" ۱۳۱۔

آٹھویں صدی کے مشہور عالم الشیخ ابو جعفر احمد بن ابراہیم بن الزبیر الثقفی الاندلسی (۶۲۷-۷۰۸ھ) نے خاص اسی موضوع پر ایک کتاب تصنیف کی ہے، جس کا نام "البرهان فی تناسب سور القرآن" ہے۔ اسے اس موضوع کی سب سے پہلی مکمل کتاب کہا جاتا ہے۔ یہ کتاب دکتور سعید الفلاح کی تقدیم و تحقیق کے ساتھ جامعہ زیتونیہ تیونس سے ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء میں شائع بھی ہو چکی ہے۔ اس میں شیخ نے قرآنی سورتوں کا باہمی ربط و تعلق بہت عمدہ انداز میں واضح کیا ہے۔ انھوں نے اگرچہ قرآنی سورتوں کے باہمی ربط و تعلق کو ہی اپنا موضوع بنایا ہے، لیکن سورتوں کا باہمی نظم بیان کرتے ہوئے آیات کا باہمی ربط و تعلق بھی بیان کر جاتے ہیں۔ ان کی کتاب کے مطالعہ سے محسوس ہوتا ہے کہ سورتوں کا نظم بیان کرتے وقت پورے قرآن کے مجموعی نظم پر ان کی نگاہ رہتی ہے۔ اسی طرح ہر سورہ کا مقصود و مدعا اور اس کے مضامین کا خلاصہ اس طرح اختصار کے ساتھ پیش کر دیتے ہیں کہ نہ صرف سورہ کے اندرونی اجزاء کا نظم سمجھ میں آنے لگتا ہے بلکہ اس کے اصل "موضوع و مقصود" کو بھی سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

اس صدی کے ایک دوسرے عالم الشیخ کمال الدین الزملکانی (متوفی ۷۲۷ھ) بھی نظم قرآن کے زبردست موید تھے۔ وہ اپنے دروس میں اس پر خصوصی توجہ فرماتے تھے وہ بھی ابن الزبیر الثقفی کی طرح سورتوں اور آیتوں دونوں کے نظم کے قائل ہیں۔ وہ بھی قرآن کو کلمہ واحدہ مانتے ہیں۔ ان کا قول ہے: "عند التامل یظهر ان القرآن کله

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا الکلمۃ الواحدۃ" ۳۲ یعنی اگر غور و تامل سے کام لیا جائے تو صاف ظاہر ہوگا کہ پورا قرآن "کلمہ واحدہ" کی طرح مربوط اور باہم متصل ہے۔

امام راغب اصفہانیؒ (متوفی ۴۲۶ھ) نے بھی اپنی تفسیر میں نظم کو قرآن کا اعجاز قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک قرآن کا اعجاز دو جہت سے ہے ایک نفس قرآن کی جہت سے دوسرے صرفہ کے اعتبار سے۔ نفس قرآن سے تعلق رکھنے والا اعجاز اس کا نظم ہے۔ لفظ اور معنی ان کے نزدیک اعجاز کا سبب نہیں ہیں بلکہ یہ دونوں وہ عناصر ہیں جن کے ذریعہ ایک ایسا منفرد نظم وجود میں آتا ہے جو قرآن کے ساتھ خاص ہے۔ چنانچہ اپنے اس خیال کی تفصیل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

> "اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ جو اعجاز، قرآن کے ساتھ خاص ہے وہ ایک مخصوص نظم ہی سے تعلق رکھتا ہے اور نظم کا معجزہ ہونا نظم کلام پر منحصر ہے۔ اور اس بات پر منحصر ہے کہ یہ نظم دوسرے کلاموں کے نظم سے مختلف ہو" ۳۳۔

اُسی صدی کے مشہور عالم و محقق علامہ بدرالدین زرکشی (متوفی ۷۹۴ھ) نے اپنی مشہور کتاب "البرھان فی علوم القرآن" میں "معرفۃ المناسبات بین الآیات" کے عنوان سے ایک مستقل باب قائم کیا ہے اور کہا ہے کہ علم مناسبت ایک شریف علم ہے اس سے عقل و فہم کا اندازہ ہوتا ہے۔ قائل کی قدر و منزلت معلوم ہوتی ہے یہ نہایت مشکل علم ہے اسی لیے مفسرین نے اس طرف بہت کم اعتنا کیا۔ وہ ترتیب بین الآیات والسور دونوں کے قائل ہیں اور دونوں کی ترتیب کو توقیفی مانتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک سورہ کے خاتمہ اور اس کی بعد والی سورہ کے آغاز میں بھی گہرا ربط ہوتا ہے البتہ یہ ربط کبھی خفی ہوتا ہے اور کبھی جلی۔ خود سورہ کی ابتدا اور اس کے خاتمہ میں بھی ربط و تعلق ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی طرح کی ترتیبی نوعیت بیان کرتے ہیں۔ انھوں نے اپنی کتاب میں نظم کی تاریخ اور اس کی اہمیت بیان کرنے کے بعد ایک طویل بحث میں بعض سورتوں اور آیتوں کے باہمی نظم و ارتباط کو بطور نمونہ ثابت کر کے اپنے دعویٰ کی صحت پر استدلال کیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے ۳۴۔ان کا قول ہے:

لیکن محط نظر المفسر مراعاة نظم القرآن الذی سبق لہ وان خالف اصل الوضع اللغوی لثبوت التجوز ۳۵۔

مفسر قرآن کے پیش نظر وہ نظم لازما رہنا چاہیے جس کے سیاق میں کلام وارد ہوا ہے خواہ اس کے لیے اصل معنی کے بجائے مجازی معنی کیوں نہ مراد لینا پڑے۔

یہ ان لوگوں میں سے ہیں جو نظم ہی کو قرآن کا اعجاز مانتے ہیں جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا۔

نویں صدی ہجری کے ہندی نژاد عالم علامہ علاء الدین مخدوم علی مہائمی (متوفی ۸۳۵ھ) نے بھی اس موضوع پر طبع آزمائی کی اور ان کی بے نظیر تفسیر "تبصیر الرحمن وتیسیر المنان" منصۂ شہود پر آئی۔ جس میں انھوں نے اپنے مخصوص انداز میں قرآنی آیات کے مابین نظم و ربط ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے۔ جس کے ذریعہ ایسے علمی نکات و لطائف سے اپنے دامن بھر لیے جو ان سے پہلے کسی کی دسترس میں نہ آسکے تھے۔ خود ان کا اپنا بیان ہے:

> "یہ نظم ہی کی برکت ہے کہ اس کی روشنی میں اس کتاب کے اندر ایسے نادر نکتے جمع کر سکا جن کو مجھ سے پہلے کسی جن وانس نے ہاتھ نہیں لگایا تھا" ۳۶۔

اس موضوع پر اس عہد کی سب سے اہم کتاب علامہ برہان الدین بن عمرو البقاعی م ۸۸۵ھ کی تصنیف "نظم الدرر فی تناسب الآی والسور" ہے جو بیس ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ علامہ بقاعی نظم قرآن کو قرآنی بلاغت کا راز قرار دیتے ہیں اور فہم قرآن میں اسے بے حد معین و مددگار بناتے ہیں اور بار بار اس کے نہایت دقیق اور مشکل ہونے کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

> "علم مناسبت قرآن کا ایک اہم علم ہے جس سے ترتیب کی باریکیاں اور حکمتیں واضح ہوتی ہیں، اس کا فائدہ یہ ہے کہ ماقبل و مابعد کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ربط و تعلق کی وجہ سے جو چیز جہاں ہونا چاہیے اور وہاں اس کا جو ترتیبی مقام ہے اس سے واقفیت حاصل ہوتی ہے پس اس سے اجزائے کلام کی ترتیب کے پیچھے کارفرما اسباب و علل کا علم حاصل ہوتا ہے اور اس میں مزید حسن اس وقت پیدا ہوتا ہے جب سورہ کا مقصود و مدعا معلوم ہو۔ مقصد کی معرفت سے تمام جملوں اور آیات کے معنی و مقصود کی معرفت حاصل ہوتی ہے"۳۷۔

بقاعی کے نزدیک نظم قرآن کے کل چار پہلو ہیں:

۱- پورا قرآن باہم مربوط اور مسلسل کلام ہے۔

۲- تمام آیات کا ایک دوسرے سے گہرا ربط ہے۔

۳- تمام سورتیں باہم مربوط ہیں۔

۴- ہر سورہ کا کوئی نہ کوئی مقصد یعنی مرکزی موضوع ہے۔

علامہ بقاعی نے خاص سورتوں کے مقاصد یعنی ان کے مرکزی موضوع کے تعلق سے بھی ایک مستقل کتاب **مصاعد النظر للاشراف علی مقاصد السور** کے نام سے تصنیف کی ہے۔

علامہ بقاعیؒ کے نزدیک قرآن مجید ایسا مربوط، مسلسل اور متصل کلام ہے جس میں کہیں وقف یا انقطاع نہیں، یہاں تک کہ آخری سورہ الناس پر بھی نہیں۔ یہ آخری سورہ ہوتے ہوئے بھی سورہ فاتحہ سے جو قرآن کی سب سے پہلی سورہ ہے، اسی طرح مربوط ہے جس طرح اپنے ماقبل کی سورہ الفلق سے مربوط ہے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ ۳۷ الف۔

اسی دور کے نامور عالم اور مورخ علامہ جلال الدین سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ) نے اس موضوع پر اب تک کی پیش رفت کو اپنے انداز سے سمیٹنے کی کوشش کی ہے اور اپنی کتاب **"الاتقان فی علوم القرآن"** میں ایک مستقل طویل باب (**النوع الثانی والستون فی مناسبۃ الآیات والسور**) قائم کر کے اس موضوع کے تعارف، تاریخ اور ارتباط آیات و سور سے متعلق ایک اہم قیمتی ذخیرہ جمع کر دیا ہے ۳۸۔ اپنے پیش رو علامہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بدرالدین الزرکشی کی کتاب "البرھان فی علوم القرآن" سے اس موضوع پر ان کی پوری بحث بھی تقریباً من وعن نقل کردی ہے۔ اور خاص اس موضوع پر ایک کتاب "اسرار التنزیل" تصنیف کی ہے۔ یہ کتاب غالباً دستیاب نہیں ہے۔ الاتقان میں اس کا تذکرہ انھوں نے کیا ہے۔ پھر اسی کتاب سے تلخیص کرکے صرف سورتوں کے باہمی ربط و تعلق پر مشتمل ایک کتاب "تناسق الدرر فی تناسب السور" مرتب کی جو "اسرار ترتیب القرآن" کے نام سے چھپ چکی ہے[۳۹]۔ عبدالقادر احمد عطا نے اس کی تحقیق کی ہے۔ اس کے مقدمہ میں اسرار التنزیل کی فہرست مضامین بھی شامل ہے[۴۰]۔

دسویں صدی ہجری کے ایک ہندوستانی عالم حسن محمد بن احمد نصیر میانجی گجراتی (متوفی ۹۸۲ھ) نے بھی ایک مکمل تفسیر "تفسیر احمدی" کے نام سے لکھی ہے۔ جس میں بطور خاص ربط آیات پر زور دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

> "میں نے کافی غور وخوض کے بعد اس تفسیر کو لکھا ہے اور اس بات کی کوشش کی ہے کہ آیات کی تفسیر مربوط انداز میں پیش کروں ...... کلام اللہ کی تفسیر تو بہت سے لوگوں نے لکھی، لیکن کسی نے بھی تمام آیات کو ایک دوسرے سے متعلق ثابت نہیں کیا ہے"[۴۱]۔

نظم قرآن چودھویں صدی ہجری میں

اس صدی میں تفسیر قرآن کا منہاج انقلابی تبدیلیوں سے ہمکنار ہوا۔ قدیم انداز تفسیر جو نہایت خشک اور کلامی و منطقی بحثوں سے پر تھا، اب رخصت ہوا۔ معاشرہ اور سماج کو درپیش نت نئے مسائل و حالات کا حل نفس قرآن سے تلاش کرنے کا رواج عام ہوا۔ عصری نظریات اور قرآنی فکر کے مابین مقابلہ و موازنہ اور تطبیق و تنقید کا سلسلہ شروع ہوا، لیکن اس ہمہ جہت انداز تفسیر کے باوجود نظم کلام کا دامن نہیں چھوڑا گیا۔ پہلے کے بالمقابل اسے اور زیادہ مضبوطی کے ساتھ اختیار کیا گیا۔ ہر عالم اور مفسر نے قرآنی حقائق و معانی اور ہدایت و رہنمائی کی تلاش میں نظم کو ایک اہم عامل کے طور پر دیکھا اور پرکھا۔ شیخ محمد عبدہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(م۱۹۰۵ء) اس انداز تفسیر کے سرخیل اور ان کے دونوں عظیم شاگرد علامہ رشید رضا (م۱۳۵۴ھ) صاحب تفسیر ''المنار'' اور مصطفیٰ المراغی (متوفی ۱۳۴۵ھ) صاحب تفسیر ''المراغی'' ان کے دست راست تھے۔ شیخ نے قرآن سے متعلق جن اہم حقائق کی دریافت کی ان کے مذکورہ دونوں شاگردوں نے اپنی تفسیروں میں بڑی خوبی کے ساتھ اپنایا جس سے تفسیری رجحان میں قابل لحاظ تبدیلی رونما ہوئی۔ سید قطب نے بھی اپنی تفسیر ''فی ظلال القرآن'' میں نظم آیات کو ملحوظ رکھا ہے۔ اور تمام قرآنی سورتوں کی موضوعی وحدت ظاہر کرنے کا خاص اہتمام کیا ہے۔ وہ ہر سورہ کے مرکزی موضوع کے بھی قائل ہیں جس کو وہ ''محور'' کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔

اس صدی میں نظم کے بجائے ایک نئی اصطلاح ''موضوعی وحدت'' کے نام سے اس وقت سامنے آئی جب جامعہ ازہر مصر کے کلیۃ اصول الدین میں نظم آیات وسور کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس طرح تدریس قرآن کا اہتمام کیا گیا کہ قرآن کی تمام سورتیں اور سورتوں کی تمام آیتیں کسی نہ کسی عنوان کے تحت گردش کر رہی ہیں اور وہی مرکزی عنوان تمام سورتوں اور آیتوں میں اتحاد واتصال کا کام کر رہا ہے۔ قرآن کے اس منہج تفسیر کو ''موضوعی وحدت'' سے تعبیر کیا گیا۔ اس مناسبت سے ایسی متعدد تفسیری بحثیں سامنے آئیں جن میں آیات قرآنی کے نظم وارتباط یا موضوعی وحدت سے بطور خاص گفتگو کی گئی ہے۔ الشیخ عبداللہ دراز (م۱۹۵۸ء) نے اپنی کتاب ''النبأ العظیم'' میں قرآن مجید کے نظم وترتیب کی نوعیت پر بڑی معرکۃ الآراء بحث کر کے قرآن مجید کی موضوعی وحدت کو واضح کیا ہے اور نمونہ کے طور پر سورہ بقرہ کا تجزیہ اس انداز سے کیا ہے کہ اس کے اجزاء کا باہمی ارتباط اوران کی موضوعی وحدت بالکل آشکارا ہو جائے۔

محمود محمد حجازی کی تصنیف ''کتاب الوحدة الموضوعية فی القرآن'' خاص اسی موضوع سے متعلق ایک مستقل کتاب ہے۔ قاضی شمس الدین بن شیر محمد نے اپنی کتاب ''انوار البیان فی اسرار القرآن'' میں تمام قرآنی سورتوں کا موضوعی خلاصہ پیش کیا ہے۔ ''المناسبات بین الآیات والسور'' کے نام سے بعض کتابیں منظر عام پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آئیں۔ڈاکٹر مصطفیٰ مسلم نے مباحث فی التفسیر الموضوعی لکھ کر زیر بحث موضوع کو مزید وسعت اور استحکام عطا کیا۔

ادھر برصغیر میں بھی اس موضوع پر بہت کام ہوا، بلکہ بعض حیثیتوں سے یہاں انجام پانے والا کام مصر وعرب کی تحقیقات سے زیادہ بھاری اور وزن دار ہے۔

برصغیر میں زیر بحث موضوع کے تعلق سے اس صدی کا سب سے نمایاں نام امام حمید الدین فراہیؒ کا نام نامی ہے۔جنھوں نے اس کو ایک مستقل فن کی حیثیت سے مرتب کیا۔اس کے اصول ومبادی متعین کیے۔اس کی مشکلات کو اجاگر کیا۔تلاش نظم میں معاون چیزوں کی نشان دہی کی اور نہایت متعین اور دوٹوک انداز میں نظم قرآن کا پورا خاکہ پیش کیا اور اس کے اظہار و بیان کے لیے متعدد کتابیں تصنیف کیں۔

ان کے نزدیک پورا قرآن کلمہ واحدہ ہے جو بظاہر کل نو گروپ میں منقسم ہے اور ہر گروپ کا ایک مرکزی موضوع ہے جسے وہ عمود سے تعبیر کرتے ہیں۔اسی طرح ہر سورہ دوسری سورہ سے مربوط ہے۔کبھی وہ پہلی سورہ کے ضمیمہ یا تکملہ کے طور پر آئی ہے تو کبھی بطور معترضہ اور کبھی قریب کے بجائے دور کی کسی سورہ سے متعلق ہوتی ہے، ہر سورہ کا بھی ایک مرکزی عنوان یعنی عمود ہوتا ہے اور تمام آیات مختلف جہتوں سے اسی عمود کی طرف رجوع کرتی ہیں جس سے سورہ میں وحدت پیدا ہوجاتی ہے۔ان کے نزدیک ہر سورہ کے چند اجزائے ترکیبی ہیں جو عمود، تمہید، نفس مضمون اور خاتمہ پر مشتمل ہوتے ہیں۔

یوں تو مولانا فراہی نے قرآنی سورتوں کو نو حصوں٭ میں تقسیم کیا ہے مگر اسے ظاہری تقسیم قرار دیا ہے اور نمونہ کے طور پر پیش کیا ہے کہ چند سورتوں کا ایک گروپ کی شکل میں نظر آنا ان کے بنیادی مضامین ومطالب کی بنیاد پر ہے۔لیکن اس سے ہٹ کر ان کے یہاں ایسے اشارے ملتے ہیں کہ قرآن مجید کی تمام سورتیں اپنے بنیادی مضامین ومطالب کے اعتبار سے مجموعی طور پر تین حصوں میں منقسم ہیں۔ان کے مطابق اس تقسیم میں زمانی کیفیات کو مدنظر رکھا گیا ہے۔پہلے کافر ومنکر معاشرہ مخاطب تھا اور اب مسلم سماج اس کے پیش نظر ہے۔اس لیے پہلے حصہ میں وہ سورتیں رکھی گئیں جن میں اسلامی احکام وقوانین

٭ مولانا اصلاحی مرحوم نے ۷ حصوں میں تقسیم کیا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیان ہوئے ہیں کیونکہ جدید اسلامی معاشرہ کو اب اس کی ضرورت تھی۔ اور دوسرے حصہ میں وہ سورتیں ہیں جو تعلیم وتذکیر، کفر وشرک کی نفی، صلاح وتقوی کی ترغیب اور صبر وثبات کی تلقین پر مشتمل ہیں۔ اور تیسرے وآخری حصہ میں وہ سورتیں ہیں جو نزول کے اعتبار سے سب سے مقدم ہیں جن میں مختلف نوعیتوں سے توحید خداوندی اور رسالت محمدی کے لیے زمین ہموار کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ (متوفی ۱۳۶۲ھ) کو نظم قرآن سے خاص دلچسپی رہی۔ انھوں نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں سورتوں اور آیتوں کے باہمی ارتباط کے اظہار کا بڑا اہتمام کیا ہے اور خاص اس موضوع پر اردو میں ایک کتاب "سبیل النجاح" اور ایک کتاب عربی میں "سبق الغایات فی تنسیق الآیات" تصنیف کی ہیں۔ وہ ربط آیات کی طرح ربط سور کے بھی قائل ہیں۔ مگر عمود یا مرکزی موضوع کا کوئی تصور ان کے یہاں نظر نہیں آتا۔ مولانا عبیداللہ سندھی (متوفی ۱۳۶۵ھ) نے حکمت شاہ ولی اللہ کی روشنی میں قرآن مجید کے چند مقاصد متعین کر کے ان کی مدد سے ہر سورہ کا ایک مرکزی عنوان مقرر کیا ہے اور اس طرح سورتوں کے مابین ربط واتصال قائم کرنے کی کوشش کی ہے[۴۲]۔

مولانا سندھی کے شاگرد موسی جاراللہ نے بھی نظم سور سے متعلق ایک کتاب "ترتیب سور الکریمة فی النزول والمصاحف" تصنیف کی۔ مولانا مفتی محمد شفیعؒ اور مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے بھی اپنی اپنی تفسیروں میں شروع سے آخر تک ارتباط آیات وسور کے اظہار کا اہتمام کیا ہے۔ ان دونوں بزرگوں کی تفسیروں کا نام ایک ہی ہے یعنی "معارف القرآن"۔

مولانا تھانوی اور آخر الذکر دونوں بزرگوں کے یہاں نظم کا کوئی خاص اصول نظر نہیں آتا۔ بالعموم انھوں نے رائج تفسیری اقوال پر اعتماد کر کے آیات کے درمیان نظم تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ بلکہ یہ بات بہت سے ان متقدمین کے یہاں بھی نظر آتی ہے جو نظم کے کچھ اصول بھی رکھتے ہیں۔ حالانکہ رائج تاویل کو بعض دفعہ نظم قبول نہیں کرتا، نتیجتاً تکلف سے کام لینا پڑا، اور کلام ومنطق کے زور سے زبردستی نظم ثابت کرنے کی کوشش کی گئی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور دور وقریب کا کوئی بھی ربط قبول کرلیا گیا جس سے کلام کا حسن جاتا رہا۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی شہرۂ آفاق تفسیر ''تفہیم القرآن'' میں بھی نظم کا اہتمام ملتا ہے۔ وہ نظم کے معاملہ میں مولانا فراہی کے خوشہ چیں نظر آتے ہیں۔ اگر ان کی تفسیر پر نظر ڈالی جائے تو ان کے یہاں قرآن مجید میں چار طرح کے نظم کا احساس ہوگا:

۱- قرآن مجید کا کلی نظام: یعنی پورا قرآن از اول تا آخر باہم مربوط ہے۔

۲- سورتوں کا باہمی نظم: یعنی سورتیں بھی ایک دوسرے سے متصل اور مربوط ہیں۔

۳- سورتوں کا اندرونی نظم: سورتوں کے اجزاء یعنی آیات کے درمیان گہرا ربط واتصال پایا جاتا ہے یہاں تک کہ اوائل سور اور خواتم سور میں بھی نظم و ربط ہوتا ہے۔ مثلاً سورہ بقرہ کی آخری آیات کے ذیل میں لکھتے ہیں:

> ''یہ خاتمہ کلام ہے، اس لیے جس طرح سورہ کا آغاز دین کی بنیادی تعلیمات سے کیا گیا تھا، اسی طرح سورہ کو ختم کرتے ہوئے بھی ان تمام اصولی امور کو بیان کردیا گیا، جن پر دین اسلام کی اساس قائم ہے۔ تقابل کے لیے اس سورہ کے پہلے رکوع کو سامنے رکھ لیا جائے تو زیادہ مفید ہوگا''[۴۳]۔

۴- ہر سورہ کا ایک مرکزی مضمون ہوتا ہے جس سے سورہ کی تمام آیات مربوط ہوتی ہیں۔

پاکستان کے ایک عالم مولانا حسین علی پنجابی نے بھی خاص ربط آیات پر ایک کتاب ''بلغة الحیران فی ربط آیات القرآن'' تصنیف کی ہے۔ جس میں انھوں نے تلاشِ نظم کے لیے سورہ کے مرکزی موضوع و مضمون کی تعیین ضروری قرار دیا ہے۔

فکر فراہی کے شارح و ترجمان مولانا امین احسن اصلاحی نے اپنے استاذ کے متعین کردہ اصول ونقوش کی پیروی کرتے ہوئے نو ضخیم جلدوں پر مشتمل تفسیر ''تدبر قرآن'' لکھی۔ اس میں گرچہ مولانا اصلاحی نے بہت سے مقامات پر اپنے استاذ سے اختلاف کیا ہے۔ پھر بھی بنیادی طور پر یہ تفسیر فکر فراہی کی عملی تطبیق کی بہترین کوشش ہے۔ اس کی روشنی میں نظم کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

...لق سے مولانا فراہی کے اصولی نظریات کو عملی صورت میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اس کے مطالعہ سے قرآن مجید کا ایسا صوری شکوہ سامنے آتا ہے جس کی مثال ذخیرۂ تفاسیر میں نہیں ملتی۔

نظم قرآن کے آغاز وارتقاء کی یہ تفصیل ادھوری رہ جائے گی اگر اس میدان میں مولانا عنایت اللہ سبحانی کی خدمات کا ذکر نہ کیا جائے۔ مولانا سبحانی نے قرآن مجید میں نظم وترتیب کے ثبوت اور اس کی اہمیت وفوائد سے متعلق ایک کتاب ”امعان النظر فی تناسب الآی والسور“ لکھ کر نظم قرآن کی لے کو مزید بلند کیا۔ جب کہ ان کی دوسری کتاب ”البرھان فی نظام القرآن“ سورہ فاتحہ، بقرہ اور سورہ آل عمران کی تفسیر ہے۔ جس میں مذکورہ سورتوں اور ان کی آیتوں کے باہمی ربط وارتباط کو بڑے پرزور اور مدلل انداز میں ثابت کیا گیا ہے۔ نظم کی رعایت نہ کرنے کی وجہ سے جن آیات کی تفسیر وتاویل میں علماء تفسیر حیران وپریشان تھے، نظم کی مدد سے ان کی ایسی سادہ فطری اور قابل فہم تاویل کردی ہے کہ جیسے یہ کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا۔ بلاشبہ ان کی یہ کتاب تحقیق وتدبر کا شاہ کار، حیرت انگیز حقائق ومعانی کا خزانہ اور مذکورہ سورتوں اوران کی آیتوں کے مابین تلاش نظم وربط کا شاندار کارنامہ ہے۔ مولانا سبحانی گو خرمن فراہی کے خوشہ چیں اور اس فکر کے زبردست حامی ومؤید ہیں تاہم وہ مولانا فراہیؒ کے نرے مقلد نہیں ہیں۔ اس میدان میں ان کا اپنا ایک الگ امتیاز ہے۔ اس راہ کے کچھ نشانات انھوں نے ازخود متعین کیے ہیں، جن پر الگ سے گفتگو کرنے کی ضرورت ہے۔

علم نظم وترتیب کے اس ارتقائی مراحل پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو علماء قرآن مجید میں نظم وترتیب کے قائل ہیں، اس کے تعلق سے ان کی کاوشیں حسب ذیل نوعیتوں کی حامل ہیں:

۱- وہ علماء جو اپنی مجلسوں اور دروس میں اس پر روشنی ڈالتے تھے، اس کو واضح کرتے تھے اور اس کی اہمیت وضرورت سمجھاتے تھے۔

۲- وہ علماء جنھوں نے خاص اسی نقطۂ نظر سے کتابیں تصنیف کیں اور یہ دو طرح کے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الف: ایک وہ جنھوں نے پورے قرآن کا نظم ثابت کرنے کے لیے کتابیں لکھیں۔

ب: دوسرے وہ جنھوں نے صرف سورتوں کا باہمی ربط و تعلق ظاہر کرنے کے لیے کتابیں لکھیں۔

۳- وہ علماء جنھوں نے اپنی تفسیروں میں آیات و سور کے باہمی ربط و تعلق کے اظہار و بیان کا کم یا زیادہ اہتمام کیا اور ایسے ہی علماء کی تعداد زیادہ ہے۔

۴- وہ علماء جنھوں نے نظم و تناسب یا موضوعی وحدت کو بحیثیت ایک فن اپنا موضوع بنایا اور اس پر کتابیں لکھیں۔

۵- وہ علماء جنھوں نے کسی مخصوص سورہ کا موضوعی وحدت کے تناظر میں اپنا مطالعہ کتابی شکل میں پیش کیا۔

۶- وہ علماء جنھوں نے علوم القرآن پر مشتمل اپنی کتابوں میں اس کے لیے کوئی باب خاص کیا اور اس پر روشنی ڈالی۔

نظم و ترتیب کی نوعیت

گذشتہ تاریخی تجزیہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قرآن مجید میں نظم کے دو پہلو ہیں۔ ایک ہر جملہ کے لفظ و معنی کا اپنی ہیئت ترکیبی کے لحاظ سے انفرادی نظم۔ دوسرے ہر جملہ یا آیت کا دوسرے جملہ یا آیت کے ساتھ مضمون و معنی کے اعتبار سے نظم و ربط۔ علامہ بقاعی کے مطابق پہلا نظم آسان اور قریب الفہم ہے[۴۴]۔ جب کہ دوسرا انتہائی مشکل اور محتاج غور و تامل ہے۔ اسی لیے علماء نے اس کی طرف توجہ کم کی[۴۵]۔ بہر حال جن علماء نے ادھر توجہ کی اور قرآن مجید کے نظم و ارتباط کو سمجھنے کی کوشش کی، ان کے جو متفرق آراء و اقوال پیچھے نقل کیے گئے ان سب پر بحیثیت مجموعی نظر ڈالی جائے تو قرآن میں چار طرح کا نظم معلوم ہوتا ہے اور نظم کے یہ چاروں پہلو مل کر قرآن مجید کا ایسا صوری جلوہ پیش کرتے ہیں کہ زبان بے اختیار پکار اٹھتی ہے کہ یقیناً یہ اللہ کا کلام ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور کا کلام ہو ہی نہیں سکتا۔ وہ چار پہلو یہ ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱- پورا قرآن کلمہ واحدہ ہے اس کی سورتوں اور آیتوں کو ایک مضبوط شیرازے نے اس طرح باندھ رکھا ہے کہ کوئی سورہ یا آیت تو کجا اس کے ایک لفظ کو بھی اپنی جگہ سے ہٹایا نہیں جا سکتا۔

۲- ایک سورہ میں چاہے جتنے بھی مسائل و امور کا بیان ہوا ہو، بہر حال وہ ایک ہی کلام ہے اور تمام آیتیں باہم دگر متصل اور مربوط ہیں۔

۳- آیات کی طرح تمام سورتیں بھی باہم متصل اور مربوط ہیں۔ یعنی ہر سورہ اپنے ماقبل سورہ کے اجمال کی تفصیل، اس کی شرح یا تتمہ و تکملہ ہے۔

۴- ہر سورہ کا کوئی نہ کوئی مقصد، عمود، محور یا مرکزی مضمون و موضوع ہوتا ہے۔ سورہ کی تمام آیات اسی کے گرد گھومتی ہیں اور اسی سے اس کا اندرونی نظم سامنے آتا ہے۔

۱- قرآن مجید کا کلی نظم

یہ تصور کہ قرآن مجید کلمۂ واحدہ ہے، اس کا ذکر شیخ ابوبکر نیشاپوری، ابن العربی، شیخ زملکانی، ابن الزبیر ثقفی، علامہ زرکشی، بقاعی اور سیوطی سب کے یہاں ملتا ہے۔ اس کی صراحت تو کسی نہ کسی شکل میں ان سب کے یہاں موجود ہے۔ مگر اس کی کوئی ایسی توضیح نظر سے نہیں گزری جس سے یہ تصور بہت واضح ہو کر سامنے آئے۔ تاہم ان کی عبارتوں میں بعض ایسی چیزیں کہیں کہیں نظر آجاتی ہیں جن سے اس تصور کی قدرے توضیح ہوتی ہے۔ مثلاً بعض علماء کا یہ قول کہ پورا قرآن، سورہ فاتحہ کے اجمال کی تفصیل ہے[۴۶]۔ یا یہ کہا جاتا ہے کہ سورہ فاتحہ بندے کی دعاء ہے کہ خدایا میری رہنمائی کر۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ قرآن مجید اس کے سامنے رکھ دیتا ہے کہ یہ ہے وہ رہنمائی جس کا تو طالب ہے[۴۷]۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں بیان شدہ تمام چیزیں خواہ ان کا تعلق اقوام سے ہو یا افراد سے، مقامات سے ہو یا واقعات سے، احکام سے ہو یا عبادات سے سب ہدایت اور رہنمائی کی چیزیں ہیں۔ اس سے قرآن مجید کا مجموعی نظام اور اس کا کلمہ واحدہ ہونا صاف ظاہر ہوتا ہے۔ مولانا مودودیؒ نے اس کے کلمہ واحدہ ہونے کی توضیح اس طرح کی ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''یہ کتاب اپنے موضوع اور اپنے مدعا اور مرکزی مضمون سے بال برابر بھی نہیں ہٹتی۔ اول سے آخر تک اس کے مختلف النوع مضامین اس کے مرکزی مضمون کے ساتھ اس طرح جڑے ہوئے ہیں جیسے ایک ہار کے چھوٹے بڑے رنگ برنگ جواہر، ہار کے رشتے میں مربوط اور منسلک ہیں ...... یہی وجہ ہے کہ وہ ہر چیز کا ذکر صرف اس حد تک اور اس انداز میں کرتا ہے جو اس کے مدعا کے لیے ضروری ہے۔ ہمیشہ ان چیزوں کا ذکر بقدر ضرورت کرنے کے بعد غیر متعلق تفصیلات کو چھوڑ کر اپنے مقصد اور مرکزی مضمون کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اور اس کا سارا بیان انتہائی یکسوئی کے ساتھ دعوت کے محور پر گھومتا رہتا ہے''۔۴۸

علامہ بقاعیؒ کا یہ بیان پیچھے گزر چکا ہے کہ قرآن میں کہیں انقطاع نہیں ہے یہاں تک کہ سورہ الناس پر بھی نہیں۔ وہ سورہ فاتحہ سے اسی طرح مربوط ہے جس طرح سورہ علق سے مربوط ہے۔

۲۔نظم بین الآیات

آیات قرآنی کے باہم مربوط ہونے کا قدرے واضح تصور اور خاکہ ان علماء کے یہاں ملتا ہے۔ مثلاً اکثر لوگوں نے لکھا ہے کہ رابطہ کبھی عام ہوتا ہے کبھی خاص، کبھی عقلی، کبھی خیالی اور کبھی تلازم ذہنی کا ہوتا ہے جیسے سبب اور مسبب، علت اور معلول، نظیرین یا ضدین وغیرہ۔۴۹ ان علماء کی تصریح کے مطابق نظم کبھی ظاہر ہوتا ہے کبھی مخفی۔

اگر بعد کی آیت پہلی آیت کی شرح و تفسیر یا بدل و تاکید یا کسی سوال مقدر کا جواب یا جملہ معترضہ یا سابقہ بیان کا تکملہ و تتمہ ہو جس کے بغیر بات مکمل نہ ہو سکتی ہو تو ان تمام صورتوں میں نظم بالکل ظاہر ہوتا ہے۔ اس کے ادراک کے لیے کسی خاص محنت و تدبر کی ضرورت نہیں ہوتی۔ لیکن اگر دونوں آیات بجائے خود مستقل ہوں اور دوسری آیت پہلی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آیت کے اس مضمون سے مختلف ہو جس سے کلام کی ابتدا ہوئی تھی تو اس صورت میں نظم مخفی ہوتا ہے اور بعض دفعہ انتہائی مشکل۔ اس صورت حال میں دیکھنا یہ ہوگا کہ دوسری آیت کا پہلی آیت پر کسی ایسے حرف کے ذریعہ عطف ہے، جو حکم میں شرکت ظاہر کرتا ہے یا عطف نہیں ہے؟ اگر عطف ہے تو مذکورہ بالا روابط یعنی سبب مسبب، علت معلوم یا نظیرین و ضدین وغیرہ میں سے کسی نوع کا ربط ہوگا مثلاً آیت:

يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا۔ (الحدید/۴)

وہ جانتا ہے جو زمین کے اندر جاتا ہے اور جو اس سے نکلتا ہے اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ اس میں چڑھتا ہے۔

میں ولوج (داخل ہونے) خروج (نکلنے) یا نزول (اترنے) عروج (چڑھنے) کے مابین علاقۂ تضاد پایا جاتا ہے۔ جہاں عذاب کے بعد ثواب، رحمت کے بعد غضب، ترہیب کے بعد ترغیب کا ساتھ ساتھ ذکر و بیان ہے وہاں رابط علاقۂ تضاد ہی ہوتا ہے۔

۲۔ قرآن مجید کا طریقہ یہ ہے کہ احکام و فرامین کے بعد وعید کا تذکرہ بالعموم کرتا ہے تا کہ ان احکام پر عمل آوری کا جذبہ پیدا ہو، پھر توصیف و تنزیہ کی آیتیں لاتا ہے تا کہ حکم دینے والے یعنی ذات باری تعالیٰ کی عظمت و اجلال کا علم و احساس ابھرے۔ سورہ بقرہ، مائدہ اور نساء وغیرہ میں ایسی مثالیں بکثرت موجود ہیں۔

لیکن اگر پہلی آیت پر دوسری کا عطف نہ ہو تو وہاں کسی مخفی و معنوی قرینے کی شکل میں کوئی قوی وجہ اتصال ہوگی۔ جسے غور و تدبر کے ذریعہ ہی معلوم کیا جا سکتا ہے۔ یہ مخفی و معنوی قرینے کئی طرح کے ہو سکتے ہیں۔ مثلاً:

۱۔ تنظیر: یعنی ایک نظیر کو دوسری نظیر سے ملحق کرنا۔

۲۔ مضادہ: یعنی ایک چیز کے بیان کے بعد اس کی ضد بیان کرنا (یہ دونوں نوعیتیں جیسا کہ پہلے گزرا عطف کی شکل میں بھی پائی جاتی ہیں)

۳۔ استطراد: اس کا دو مفہوم ہے۔ ایک یہ کہ کوئی بات اس طرح بیان کی جائے کہ اس سے کوئی دوسری بات لازم آئے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسرے یہ کہ ایک بات کے ذیل میں اس سے مناسبت اور تعلق رکھنے والی بعض دوسری باتیں ضمناً بیان کر کے پہلی اور اصل بات کی طرف پھر لوٹ آیا جائے۔

۴۔حسن تخلص: یعنی ایک بات یا مضمون مکمل کرنے کے بعد دوسرے مضمون کی طرف اس خوبی کے ساتھ منتقل ہو جانا کہ سامع کو اس کا احساس بھی نہ ہونے پائے کہ اب دوسری بات بیان ہو رہی ہے۔

مناسب ہوگا کہ نظم آیات کی ان نوعیتوں کی ایک ایک مثال بھی پیش کر دی جائے تا کہ بات اچھی طرح واضح ہو جائے۔

تنظیر:

اس کی مثال سورہ انفال کی آیت کریمہ: كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِن بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقاً مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَرِهُونَ (نمبر۵) ہے جو الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ. أُوْلَـٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقّاً لَّهُمْ دَرَجٰتٌ عِندَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ (نمبر۴) کے بعد واقع ہے۔

بادی النظر میں كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ کا پہلے والی آیت یا آیات سے کوئی ربط و تعلق نظر نہیں آتا۔ حالانکہ وہ پچھلے سلسلۂ کلام سے پوری طرح مربوط ہے۔ بات یوں ہے کہ غزوۂ بدر میں حاصل شدہ مال غنیمت کی تقسیم کے سلسلہ میں نبی ﷺ کے طرز عمل پر بعض بیجا سوالات اٹھائے گئے يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنفَالِ ۔لوگوں کے اس رویہ پر اظہار نکیر کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ یہ تقویٰ اور ایمان کے منافی رویہ ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کی بے چوں و چرا اطاعت ہی اہل ایمان کا شیوہ ہونا چاہیے۔ ایسے ہی لوگ سچے مومن کہلانے کے حق دار ہیں أُولَـٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقّاً ۔اس اظہار نکیر اور سچے مومن کی صحیح تصویر پیش کرنے کے بعد مناسب ہوا کہ ان لوگوں کی ایک اور کمزوری کی طرف بھی توجہ دلا دی جائے۔ جو اس سے کچھ ہی پہلے اس وقت ظاہر ہوئی تھی جب اس جنگ کے لیے نبی ﷺ نے مدینہ سے بدر کے لیے نکلنے کا ارادہ فرمایا تھا۔ گویا علامہ زرکشیؒ کے الفاظ میں ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

كراهتهم لما فعلته من الغنائم ككراهتهم للخروج معك ۔۵۰ یعنی تقسیم غنائم کے تعلق سے آپ کے فیصلہ کو ان کا برا ماننا ویسا ہی ہے جیسا کہ جنگ کے لیے گھر سے نکلتے وقت وہ برا مان رہے تھے۔

مضادہ

اس کی مثال سورہ بقرہ کی چھٹی آیت اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ہے۔ اس سے پہلے ان اوصاف سے متصف لوگوں کا تذکرہ ہے جن سے متصف ہوئے بغیر قرآن سے ہدایت و رہنمائی نہیں مل سکتی۔ پس جب ان مومنین کا ذکر مکمل ہو گیا تو ان کافرین کا ذکر چھیڑا گیا جو قرآن سے ہدایت یاب ہونے والے نہیں تھے۔ علامہ زرکشیؒ کہتے ہیں کہ ان دونوں تذکروں میں ایک وہمی جامع موجود ہے اور اسی کو تضاد کہا جاتا ہے۔ اس کی حکمت پہلے کلام کے لیے شوق و رغبت دلانا اور اس پر قائم رہنے کا جذبہ پیدا کرنا ہے۔ بضدها تتبين الاشياء ۔۵۱

استطراد

اس کی مثال پہلے مفہوم کے اعتبار سے سورۂ اعراف کی آیت ۲۶ ہے يَا بَنِيْ آدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْءَاتِكُمْ وَرِيْشًا وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذَالِكَ خَيْرٌ ۔ علامہ زمخشریؒ کہتے ہیں کہ یہ آیت آدم و حوا علیہما السلام کے لباس اتر جانے اور پتوں سے جسم ڈھانکنے کے ذکر کے بعد بطور استطراد وارد ہوئی ہے۔ جس کا مقصد اللہ کے اس احسان کا اظہار ہے جو لباس پیدا کر کے اس نے اپنے بندوں پر کیا ہے اور برہنگی و بے پردگی کی ذلت و رسوائی کا بیان ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ بتانا مقصود ہے کہ ستر پوشی تقویٰ کا ایک اہم باب ہے ۔۵۲

دوسرے مفہوم کے اعتبار سے اس کی مثال سورہ اعراف میں وارد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کے درمیان آنے والی آیت الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ (۱۵۷) ہے۔ جس میں نبی ﷺ اوران کی ذات گرامی سے متعلق کچھ باتیں ضمناً آ گئی ہیں پھر وَمِن قَوْمِ مُوسَى أُمَّةٌ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ۔ (۱۵۹) کے ذریعہ واقعہ موسیٰ کی طرف عود ہو گیا ہے۔

حسن تخلص

اس کی ایک عمدہ مثال سورۃ الشعراء کی آیت وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ إِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ (۶۹-۷۰) سے شروع ہونے والی سرگزشت ابراہیم کے آخر میں ہے۔ اس سرگزشت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے خود ساختہ معبودوں کی بے بضاعتی اور بے حقیقتی ظاہر کر کے اپنی قوم سے اعلان براءت کرتے ہوئے فرمایا فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّي إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ (آیت نمر ۷۷) یہاں استثنا کے ذریعہ نہایت خوبصورتی کے ساتھ حضرت ابراہیمؑ نے بات کا رخ ان کے معبودان باطل سے اپنے رب حقیقی کی طرف پھیر دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے وہ اوصاف گنائے جن کی بنا پر وہ عبودیت کا حق دار اور اس بات کا سزاوار ہے کہ اسی سے لولگائی جائے اور اسی سے استعانت کا طلب گار رہا جائے۔

اس کی دوسری مثال اسی سلسلۂ کلام کا آخری حصہ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بات، اپنے لیے جنت، اپنے باپ کے لیے مغفرت اور آخرت کے دن اپنی رسوائی سے حفاظت کی دعا پر ختم فرمائی وَاغْفِرْ لِأَبِي إِنَّهُ كَانَ مِنَ الضَّالِّينَ. وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ (الشعراء/۸۶-۸۷) جب بعث بعد الممات کا ذکر آ گیا تو فوراً اس دن کے احوال و واقعات کا ذکر چھیڑ دیا گیا اور فرمایا گیا يَوْمَ لَا يَنفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ . إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ. وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ. وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ لِلْغَاوِينَ. وَقِيلَ لَهُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ تَعْبُدُونَ. مِن دُونِ اللَّهِ هَلْ يَنصُرُونَكُمْ أَوْ يَنتَصِرُونَ . (۸۸-۹۳)۔ اگر اس آخری مجموعہ آیات کو حسن تخلص نہ مانا جائے تو کم از کم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بات کا تکملہ یا توضیح تو ضرور کہا جا سکتا ہے۔ ویسے بعض لوگوں نے واقعہ ابراہیمؑ سے شروع ہونے والے پورے سلسلۂ کلام کو استطراد کہا ہے کیونکہ سابقہ امتوں اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رسولوں کا ذکر جو پہلے سے چلا آ رہا تھا اس کے بعد پھر شروع ہو گیا ہے ۵۳۔

سورتوں کے اندرونی نظم کی ایک شکل یہ ہوتی ہے کہ سورتوں کے آغاز کا ان کے خاتمہ سے گہرا معنوی تعلق اور لگاؤ ہوتا ہے مثلاً سورہ مومنون کا آغاز قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ سے ہوا اور خاتمہ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ پر۔ اسی طرح سورہ ص کا آغاز ذکر سے ہوا ص وَالْقُرْآنِ ذِي الذِّكْرِ اور اختتام إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ پر ہوا۔ اور کبھی کبھی جس مضمون سے سورہ کا آغاز ہوتا ہے ٹھیک اسی مضمون پر خاتمہ بھی ہوتا ہے جیسے سورہ ممتحنہ کا آغاز و اختتام یا سورہ حشر کی ابتداء و انتہا۔ اسے اصطلاح میں عود الی البدء کہتے ہیں۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے خاص اسی موضوع پر ایک کتاب "مراصد المطالع فی تناسب المقاطع والمطالع" تصنیف کی ہے۔

۳۔ سورتوں کا باہمی نظم

سورتوں کے باہمی نظم و تعلق کی بھی کئی شکلیں بیان کی جاتی ہیں:

۱۔ ایک شکل یہ ہوتی ہے کہ ایک سورہ اپنے ماقبل سورہ کا کبھی تکملہ ہوتی ہے تو کبھی توضیح و تشریح۔ یا پہلی سورہ کا جو مقصد یا عمود ہوتا ہے، اس سے متعلق کسی اہم پہلو کو جس کی تفصیل یا زیادہ وضاحت کی وہاں گنجائش نہیں ہوتی، بعد والی سورہ اس کو اجاگر کرتی ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحی کے الفاظ میں "ہر سورہ زوج زوج ہے یعنی اپنا ایک جوڑ اور مثنیٰ رکھتی ہے" ۵۴۔ سیوطی کہتے ہیں:

ان کل سورة تفصيل لاجمال ما قبلها وشرح له واطناب لايجازه ۵۵۔	ہر سورہ اپنی پہلی والی سورہ کے اجمال کی تفصیل اور اس کی شرح اور اس کے ایجاز کی وضاحت ہے۔

مثلاً سورہ رعد، سورہ یوسف کے خاتمہ کی آیات وَكَأَيِّن مِّنْ آيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّونَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ ..... قُلْ هٰذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللّٰهِ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ (۱۰۵،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۰۸) کے اجمال کی تفصیل ہے۔۵۶

یا سورہ بنی اسرائیل، سورہ نحل کی آیت إِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ. (آیت نمبر۱۲۴) کی تفسیر ہے۔ جس میں اہل سبت کی شریعت کا بیان اور ان کے فساد وعصیان اور نبی ﷺ کے خلاف ان کے بغض وعناد کی تفصیل ہے ۵۷۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دو متصل سورتیں مستقل حیثیت رکھتی ہیں، مگر غور کرنے پر ان میں بڑا منطقی ربط نظر آتا ہے۔ مثلاً سورہ فاتحہ بندے کی اپنے رب سے دعاء ہے کہ پروردگار میری رہنمائی فرما اور سورہ بقرہ اس کا جواب ہے کہ اگر تمھیں ہدایت مطلوب ہے تو اس کتاب اور اس رسول پر ایمان لاؤ جس پر یہ کتاب اتری ہے۔ گویا سورہ بقرہ دین مطلوب کے اصول وقواعد پر مشتمل ہے جس پر چل کر آدمی منعم علیہ بن سکتا ہے بصورت دگر مغضوب علیہ ہوگا۔ اس کے بعد آل عمران کی حیثیت سورہ بقرہ کے تکملہ وتتمہ کی ہے جو سورہ بقرہ کے مقصود ومطلوب کی تکمیل کرتی ہے اور اس پر مخالف کے شبہات واعتراضات کا جواب فراہم کرتی ہے ۵۸۔

۲- کبھی کبھی بعض سورتیں درمیان میں بطور جملہ معترضہ آجاتی ہیں جیسے بعض آیات کبھی کبھی بطور جملہ معترضہ آجاتی ہیں۔ اس صورت میں اس کے بعد والی سورہ کا تعلق اپنی اس متصل سورہ سے نہ ہو کر اس سے اوپر والی سورت سے ہوتا ہے ۵۸الف۔

(حاشیہ میں دستی تحریر: سورتیں بطور جملہ معترضہ)

۳- نظم سورہ کی ایک شکل یہ ہوتی ہے کہ ایک سورہ جس مضمون پر ختم ہوتی ہے بعد والی سورہ اسی مضمون سے یا اس سے تعلق رکھنے والے کسی مضمون سے شروع ہوتی ہے۔ اسی کو "مناسبة فاتحة السور لخاتمة ماقبلها" کہتے ہیں ۵۹۔ علامہ زرکشیؒ کہتے ہیں:

واذا اعتبرت افتتاح کل سورة وجدته فی غاية المناسبة لما ختم به السورة قبلها، ثم هو یخفی تارة ویظهر اخری ۶۰۔

جب تم ہر سورہ کے افتتاحیہ پر غور کروگے تو اس کو اس سورہ کے اختتامیہ سے غایت درجہ مناسبت رکھنے والا اور مربوط پاؤگے جو سورہ اس سے پہلے ہے۔ پھر یہ ربط ومناسبت کبھی مخفی ہوتی ہے اور کبھی ظاہر۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مثلاً سورہ واقعہ کا اختتام تسبیح کے حکم سے ہوتا ہے فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ۔(آیت نمبر۹۶) تو اس کے بعد سورہ حدید کا آغاز تسبیح کے بیان سے ہوتا ہے سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ (آیت نمبرا) سورہ طور کا اختتام وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَإِدْبَارَ النُّجُومِ پر ہوا تو اس کے بعد سورہ نجم کا آغاز وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ سے کیا گیا۔

۴۔ سورتوں کے باہمی ربط و تعلق کی ایک نوعیت علامہ بقاعی اور سیوطی وغیرہ نے "مناسبة اسماء السور لمقاصدها" بتائی ہے۔ یعنی سورتوں کے ناموں کی مناسبت ان کے مقاصد یا مرکزی خیال کے ساتھ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بعض وہ سورتیں جن کے نام سورتوں کے مقاصد سے تعلق اور مناسبت رکھتے ہیں، ان سورتوں کے مابین بھی ایک طرح کا رشتہ و تعلق ہوتا ہے۔ مثلاً سات سورتوں کا ایک ہی مشترک نام "حٰم" رکھا گیا ہے، اس لیے ان سورتوں کے مابین ایک مخصوص قسم کی مشابہت و مشاکلت پائی جاتی ہے۔ جیسے یہ بات کہ حوامیم میں ہر سورہ کا آغاز کتاب یا کتاب کی کسی صفت سے ہوا ہے۔ تعداد میں بھی تقریباً یکسانیت ہے اور آیات کا باہمی نظام بھی ملتا جلتا ہے۔ وتشاكل الكلام في النظام[61]۔

لیکن یہ ایک مشکل امر ہے تمام سورتوں کے نام ایسے نہیں ہیں کہ جن سے ان کے مقاصد کی ترجمانی ہوتی ہو۔ علامہ بقاعیؒ نے اس مشکل کا یہ حل پیش کیا ہے کہ سورتوں کے کئی کئی نام ہوتے ہیں اس لیے سورہ کے کسی نام سے مقصد کی مناسبت ظاہر ہوسکتی ہے یہ ضروری نہیں ہے کہ مشہور نام سے ہی مقصد کی مناسبت ظاہر ہو۔ علامہ سیوطیؒ نے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے[62]۔

۴۔ سورہ کا مقصد عمود یا مرکزی مضمون

عمود، نظم کا ایک اہم ستون ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہر سورہ کا ایک مرکزی موضوع اور عنوان ہوتا ہے۔ جس کے گرد سورہ کے تمام مضامین و مطالب گردش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرتے رہتے ہیں۔ اسی سے سورہ کے تمام اجزا میں نظم قائم ہوتا یا موضوعی وحدت پیدا ہوتی ہے۔

عام خیال یہ ہے کہ سورتوں کے عمود یا مرکزی مضمون کا یہ تصور سب سے پہلے مولانا حمید الدین فراہیؒ نے پیش کیا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ متقدمین کے یہاں بھی اس کا ذکر موجود ہے۔ ابن زبیر ثقفیؒ جن کو نظم کے میدان میں تصنیفی اعتبار سے تقدم حاصل ہے ان کے یہاں بھی اس کا تصور کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے۔ حالانکہ انھوں نے جس دور میں اس موضوع پر قلم اٹھایا وہ علم نظم کا تقریباً ابتدائی دور تھا۔ بہت کم لوگوں کو اس سے دلچسپی تھی۔ وہ اپنی کتاب **البرھان فی تناسب سور القرآن** میں ''بہت اختصار و ایجاز کے ساتھ ہر سورہ کا ''مقصود و مدعا'' اور اس کے مضامین کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔ جس سے خود سورہ کے اندرونی نظم اور اس کے ''اصل موضوع'' کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے''۶۲؎ الف۔

امام رازیؒ کا یہ قول پیچھے گزر چکا ہے کہ ''سورہ حم السجدہ شروع سے آخر تک ایک منظم کلام کی صورت میں ڈھلی ہوئی ہے جس میں ایک خاص موضوع پیش نظر ہے''۶۳؎۔

علامہ بقاعی کے شیخ ابوعبداللہ محمد بن ابوالقاسم محمد المشد الی المالکی نے اس پر بہت مختصر مگر بڑی اچھی روشنی ڈالی ہے۔ بقاعی نے ان کا یہ بیان نقل کیا ہے:

''الامر الکلی المفید لعرفان	پورے قرآن میں مناسبات آیات کی
مناسبات الآیات فی جمیع القرآن	معرفت کے لیے امر کلی یہ ہے کہ تم اس
ھو انک تنظر الغرض الذی سبقت	''غرض/مقصد'' پر غور کرو جس کے لیے وہ
لہ السورۃ وتنظر ما یحتاج الیہ	سورہ آئی ہے۔ اور اس غرض کے لیے جن
ذلک الغرض من المقدمات وتنظر	مقدمات کی ضرورت ہے ان پر غور کرو اور
إلی مراتب تلک المقدمات فی	غرض و مقصد سے قرب و بعد کے لحاظ سے
القرب والبعد وتنظر عند انجرار	ان مقدمات کے مراتب پر غور کرو اور ان
الکلام فی المقدمات إلی ما	مقدمات پر کلام کے ضمن میں سامع کے
یستتبعہ من استشراف نفس السامع	دل میں اٹھنے والے مسائل واحکام اور ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

إلى الاحكام واللوازم التابعة التي تقتضي البلاغة .... هذا هو الامر الكلي المهيمن على حكم الربط بين جميع اجزاء القرآن واذا فعلته تبين لك انشاء الله وجه النظم مفصلا بين كل آية وآية في كل سورة سورة"۶۴ے

کے تابع و لازم امور پر بھی نظر رکھو جو بلاغت کا تقاضا ہوتے ہیں .... یہ وہ اصولی اور فیصلہ کن چیز ہے جس کے ذریعہ قرآن کے تمام اجزاء کے درمیان ربط و تعلق کا حکم لگایا جاسکتا ہے۔ جب تم ایسا کروگے تو انشاء اللہ ہر ہر سورہ کے اندر آیت اور آیت کے مابین وجہ نظم بالکل کھل کر تمہارے سامنے آجائے گی۔

ابوالحسن علی بن احمد الحسن الحرالی جن کی تفسیر "مفتاح الباب المقفل لفهم القرآن المنزل" سے علامہ بقاعی نے اپنی تفسیر نظم الدرر میں بہت کچھ استفادہ کیا ہے وہ بھی اس کے قائل ہیں کہ "ہر سورہ کا ایک جامع عنوان ہوتا ہے جو اس سورہ کی تمام آیات کا احاطہ کرتا ہے" ۶۵ے

علامہ بقاعیؒ نے بھی اپنی تفسیر میں سورتوں کے مقاصد بیان کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ سورہ بقرہ کے عمود کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس کا مقصد کتاب اللہ کے ہدایت نامہ ہونے پر دلیل قائم کرنا ہے۔ آل عمران کا مقصد وحدانیت کا اثبات ہے۔ سورہ مائدہ کا مقصد اس چیز کو پورا کرنا ہے جس کی ہدایت کتاب الٰہی نے دی ہے ۶۶ے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہر سورہ کا مقصد اس کے نظم و تناسب کی طرف رہنمائی کرتا ہے لہٰذا ہر سورہ کا مقصود ذکر کرنا چاہیے ۶۶ے الف۔

علامہ سیوطیؒ کے یہاں بھی اس کا ذکر موجود ہے۔ بقاعیؒ نے اپنے شیخ کے جس قول کا حوالہ دیا ہے (جیسا کہ اوپر نقل کیا گیا) سیوطی نے بھی اسے قال بعض المتاخرین کہہ کر نقل کیا ہے ۶۷ے۔

اس کے علاوہ جیسا کہ پہلے گذرا سورتوں کے باہمی نظم کی ایک شکل سیوطی نے مناسبة اسماء السور لمقاصدها بتائی ہے۔ ان کی نایاب کتاب "اسرار التنزیل"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو کل تیرہ انواع پر مشتمل ہے اس کی چھٹی نوع کا عنوان ہے ”مناسبة مطلع السور للمقصد الذی سبقت له“ ۶۸ ۔

ان دونوں عناوین سے بھی سیوطی کے یہاں عمود کے تصور کا پتہ چلتا ہے۔ امام شاطبیؒ نے اپنی کتاب الموافقات فی اصول الشریعة میں موضوعی وحدت کے بعض اصول وقواعد بیان کیے ہیں ابن قیم نے بھی اپنی متعدد کتابوں میں بعض آیات اور سورتوں کی تفسیر بیان کرتے ہوئے ضمناً موضوعی وحدت کا ذکر کیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ ان متقدمین علماء کے یہاں بھی ہر سورہ کا ایک مقصد یا مرکزی عنوان ہوتا ہے، جسے سورہ کے اندرونی نظم کی معرفت میں کلیدی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ اس کی تعیین یا دریافت کے بعد پوری سورہ کا اندرونی نظم روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ہے۔ بلکہ سورتوں کا باہمی ربط و تعلق بھی واضح ہو جاتا ہے اور خاص بات یہ ہے کہ تلاش نظم کے بالکل ابتدائی دور سے ہی اس کا تصور پایا جاتا ہے یہ اور بات ہے کہ ہمارے عام مفسرین کرام کی تفسیریں اس اصول کے استعمال سے خالی ہیں۔ متقدمین میں جن لوگوں نے یہ تصور پیش کیا ہے ان کی تفسیروں میں بھی اس کی کارفرمائی بہت کم نظر آتی ہے۔ صرف اشارے ملتے ہیں مثلاً امام رازیؒ نے حم السجدہ کے بارے میں اشارہ کیا ہے۔ شاطبیؒ سورہ بقرہ کے بارے میں کہتے ہیں:

> ”سورۃ البقرہ نظم کے اعتبار سے کلام واحد ہے۔ وہ کئی نوع کے کلام پر مشتمل ہے۔ اس میں اصل مطلوب سے متعلق بعض چیزیں مقدمہ اور تمہید کے طور پر ہیں بعض کی حیثیت تاکیدی اور تکمیلی باتوں کی ہے۔ بعض مباحث مقصد نزول سے متعلق ہیں۔ اور یہ ہے احکام کی توضیح و تکمیل، ابواب کی تفصیل کے مطابق اور بعض ایسے خاتمے ہیں جو تاکید و ثبوت وغیرہ کے لیے ماقبل مذکور کلام کی طرف لوٹتے ہیں“ ۶۹ ۔

ابن القیم نے سورۃ العنکبوت کی تفسیر میں لکھا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''اس سورہ کا مضمون خلق و امر کا راز ہے۔ یہ امتحان و ابتلا کی سورہ ہے اور اس میں دنیا و آخرت کی فکر میں مبتلا لوگوں کی حالت کا بیان ہے۔ جو شخص اس کی ابتدا، درمیان اور خاتمہ پر غور کرے گا وہ پائے گا کہ اول امر میں ابتلاء و امتحان ہوتا ہے۔ درمیان میں صبر و توکل اور آخر میں ہدایت و مدد''۰ے

اس کے برعکس چودھویں صدی ہجری کے برصغیر اور مصر و عرب میں سورہ کے مرکزی موضوع کے لحاظ سے اس کی تفسیر و توضیح اور اس نظریہ کی عملی تطبیق کا کام بہت کامیابی کے ساتھ عمل میں آیا۔ مولانا فراہیؒ، مولانا اصلاحیؒ، الشیخ عبداللہ درازؒ اور بعض دوسرے اہل علم کی کاوشیں بڑی سائنٹفک اور عقل و فہم کو اپیل کرنے والی ہیں۔ خصوصیت سے مولانا حمیدالدین فراہیؒ کا فلسفۂ نظم پورے قرآن کا احاطہ کرتا ہے۔ سورتوں اور آیتوں کے نظم کے ساتھ ساتھ قرآن کے کلی اور مجموعی نظم کو واضح کرتے ہوئے اسے واقعی کلمہ واحدہ بنا دیتا ہے اور اس پوری تنظیم و تشکیل میں سارا انحصار کسی عمود یا مرکزی موضوع پر ہوتا ہے۔

تفسیر موضوعی کی ایک مثال

مثال کے طور پر سورہ نساء کی موضوعی وحدت یا معنوی نظم کا خلاصہ مولانا امین احسن اصلاحیؒ کی تفسیر ''تدبر قرآن'' سے ملاحظہ فرمائیں:

مولانا کے نزدیک سورہ نساء کا عمود یا مرکزی موضوع ''مسلمانوں کی معاشرتی اصلاح اور ان کا جماعتی اتحاد و اتصال'' ہے۔ مولانا کہتے ہیں کہ پچھلی سورہ کا اختتام يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ پر ہوا، جس میں ثابت قدمی کی تعلیم دی گئی ہے۔ اب اس سورہ (نساء) میں ثابت قدمی کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہے انھیں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ ثابت قدمی بالخصوص اجتماعی ثابت قدمی بغیر مضبوط جماعتی اتصال کے ممکن نہیں۔ چنانچہ موضوع کے تقاضے کے مطابق ان ساری چیزوں کو اس سورہ میں بیان کیا گیا جو اسلامی معاشرہ اور اس کے فطری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نتیجہ ''اسلامی حکومت'' کو مستحکم رکھنے اور اس کو انتشار سے بچانے کے لیے ضروری ہیں۔

مولانا کے نزدیک یہ سورہ تمہید، نفس مضمون اور خاتمہ پر مشتمل ہے۔

تمہید

اس کی پہلی آیت بطور تمہید ہے جو اس طرح ہے ''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک ہی جان سے پیدا کیا اور اسی کی جنس سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سارے مرد اور عورتیں پھیلا دیں اور ڈرو اس اللہ سے جس کے واسطے سے تم باہم دگر طالب مدد ہوتے ہو اور ڈرو قطع رحم سے۔ بے شک اللہ تمھاری نگرانی کر رہا ہے۔

اس آیت میں تخلیق کا حوالہ دے کر اپنے خالق سے ڈرنے اور آپسی رشتوں کو مضبوط رکھنے، صلہ رحمی کرنے اور قطع رحمی سے ڈرنے کی ہدایت ہے۔ اس لیے کہ اسلامی معاشرہ کی عمارت انہی دونوں بنیادوں یعنی خوف خدا اور باہمی رشتہ و تعلق کی استواری پر قائم ہوگی۔ مولانا فرماتے ہیں: زیر بحث آیت ایک جامع تمہید ہے ان تمام احکام و ہدایات کے لیے جو انسانی معاشرتی تنظیم کے لیے اللہ نے اتارے ہیں اور جو آگے (اس سورہ میں) آ رہے ہیں اے۔

نفس مضمون

تمہید کے بعد اصل مضمون بیان ہوا ہے جو دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلا حصہ معاشرتی اصلاح و استحکام کی تعلیم و ہدایات پر مشتمل ہے اور آیت ۴۳ تک محیط ہے۔ جب کہ دوسرے حصہ میں مخالفین پر تبصرہ اور مسلمانوں کو تسلی اور ان کی حوصلہ افزائی کے مضامین ہیں۔ جو آیات ۴۴ تا ۱۲۶ پر مشتمل ہیں۔ اس دوسرے حصہ کا تعارف مولانا اس طرح کراتے ہیں:

''آیت ۴۳ پر جیسا کہ ہم اوپر اشارہ کر چکے ہیں اصلاح معاشرہ سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

متعلق احکام کا باب ختم ہوا۔ آگے اس ردعمل کا بیان آرہا ہے جو ان اصلاحات کے مخالفین کی طرف سے ظاہر ہوا اور ساتھ ہی مسلمانوں کو ایک مملکت کی بشارت سنائی جارہی ہے جو معاشرہ کے بلوغ و کمال کا نتیجہ ہے۔ مخالفین میں سب سے پہلے یہود کو لیا ہے اس لیے کہ حامل کتاب ہونے کی وجہ سے سب سے زیادہ انہی لوگوں کو اصلاحات کا حامی ہونا چاہیے تھا، لیکن بدقسمتی سے سب سے زیادہ مخالفت انہی کی طرف سے ہوئی'' ۲؎۔

خاتمہ

اس میں مسلمانوں کے لیے بعض ضروری نصیحتیں ہیں اور مخالفین و منافقین کو تنبیہ و تہدید۔ یہ اختتامیہ آیت ۱۲۷ سے آخر سورہ تک محیط ہے۔ اس کو متعارف کراتے ہوئے مولانا امین احسن لکھتے ہیں:

''اسلامی معاشرہ کی تاسیس، تنظیم اور تطہیر سے متعلق جو باتیں اصولی تھیں وہ اوپر کی آیات پر تمام ہوئیں۔ اب آگے کا حصہ سورہ کے آخر تک خاتمہ سورہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں پہلے بعض سوالات کے جوابات دیے گئے ہیں جو اسی سورہ کی آیات ۲ تا ۴ میں بیان کردہ احکام کے متعلق بعد میں پیدا ہوئے۔ اس کے بعد آخر سورہ تک مسلمانوں کو، منافقین کو اور اہل کتاب کو خطاب کر کے آخری تنبیہ کی نوعیت کی نصیحتیں فرمائیں۔ یہ سوالات بعد میں پیدا ہوئے اس کی وجہ سے ان کے جواب سورہ کے آخری باب کے ساتھ رکھے گئے تاکہ واضح ہوسکے کہ یہ بعد میں نازل ہوئی ہیں'' ۳؎۔

سورہ نساء قرآن کی طویل ترین سورتوں میں سے ہے جس میں گوناگوں مسائل و مطالب کا بیان ہے۔ اسلوب، مخاطب اور مطالب میں بار بار تبدیلی بھی ہوتی رہتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس لیے اس میں نظم کی مشکلات بھی بہت پیش آتی ہیں۔ مگر مولانا اصلاحی نے جماعتی اتحاد و اتصال اور معاشرتی اصلاح واستحکام سے متعلق تمام مسائل وہدایات کی اس خوبی سے توضیح وتبیین کی ہے کہ یہ حصہ از اول تا آخر نہایت مربوط اور اپنے مرکزی موضوع سے پوری طرح ہم آہنگ نظر آتا ہے۔

اس کے بعد والا حصہ جو مخالفین پر نقد وتبصرہ اور مسلمانوں کی حوصلہ افزائی پر مشتمل ہے اور بظاہر پہلے حصہ سے الگ دکھائی پڑتا ہے، وہ بھی پہلے سے پوری طرح مربوط ہوگیا ہے۔ پہلے حصہ میں ان اصلاحات وہدایات کا ذکر ہے جو ایک مستحکم اسلامی معاشرہ کی تشکیل کے لیے ضروری ہیں، اور دوسرے حصہ میں ان اصلاحات کی مخالفت کرنے والوں کی مخالفت اور منافقین کی منافقت کی پردہ دری کر کے ان سے ہوشیار رہنے کی ہدایت دی گئی ہے اور ان کی اصلاح مخالف سرگرمیوں سے محفوظ رہنے کی تدابیر بتائی گئی ہیں تا کہ اسلامی معاشرہ انتشار سے محفوظ اور مستحکم ومضبوط رہے۔

جب کہ خاتمہ کی آیات میں پچھلے مباحث کو سمیٹتے ہوئے ان میں مذکور بعض مسائل مثلاً حقوق یتامیٰ اور مسئلہٗ وراثت کلالہ وغیرہ سے متعلق پیدا ہونے والے بعض اشکالات واعتراضات کو صاف کیا گیا ہے۔ پھر نہایت خوبی کے ساتھ کلام کا رخ نبی اور اصحاب نبی کی تسلی وتسکین کی طرف پھیر دیا گیا تا کہ ان کے اندر دلجمعی پیدا ہو اور آخر میں مخالفین کی خبر لی گئی ہے اور ان کو نہایت سخت اسلوب وانداز میں دھمکی دی گئی ہے۔

اس مختصر تجزیہ سے سورہ نساء کے تمام اجزاء میں شروع سے آخر تک ایک منطقی ربط صاف ظاہر ہوتا ہے اور اس کا اندرونی نظام اس کے عمود یا مرکزی موضوع سے پوری طرح وابستہ نظر آتا ہے۔

معرفت نظم کے بعض اصول

ہر کلام کے نظم کو جاننے کے کچھ اصول ہوتے ہیں۔ اس لیے کلام الٰہی کے نظم کو جاننے اور سمجھنے کے لیے بھی لازماً کچھ اصول ہونے چاہئیں۔ علماء تفسیر نے انھیں دریافت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔ مگر وہ ان کی تحریروں میں متفرق بکھرے پڑے ہیں۔ ہماری گزشتہ بحث سے اس کے کچھ اصول سامنے آتے ہیں جو مختصراً یہ ہیں:

۱- سب سے پہلے اس مقصد یا غرض پر غور کیا جائے جس کے لیے سورہ نازل ہوتی ہے۔ اس کے بعد اس مقصد کے لیے ضروری مقدمات اور مقصد سے ان مقدمات کے قرب و بعد کے مراتب پر غور کیا جائے اور ان مقدمات پر کلام کے ضمن میں سامع کے ذہن میں اٹھنے والے سوالات پر بھی نظر رکھی جائے۔

۲- یکے بعد دیگرے آنے والی آیات کے مابین ربط و تعلق کئی طرح کا ہوتا ہے کبھی عام کبھی خاص، کبھی حسی، کبھی عقلی اور خیالی ہوتا ہے یا کبھی سبب مسبب اور علت و معلول کا ربط ہوتا ہے تو کبھی نظیرین یا ضدین کا تعلق ہوتا ہے۔ اس قاعدہ کلیہ کو ملحوظ رکھنے سے نظم کا علم حاصل ہوتا ہے۔

۳- بعد والی آیت پہلی آیت سے حرف عطف کے ذریعہ جڑی ہوگی یا بغیر حرف عطف کے۔ پہلی صورت میں سبب مسبب، علت معلول یا نظیرین و ضدین کا تعلق ہوگا اور دوسری صورت میں نظیرین و ضدین کے علاوہ استطراد یا حسن تخلص کا تعلق ہوگا۔

۴- ہر سورہ کا اپنی ماقبل سورہ سے گہرا تعلق ہوتا ہے اس لیے ایک سورہ کی آیات پر غور کرتے وقت پچھلی سورہ کے مضامین پر بھی نظر ہونی چاہیے۔

۵- سیوطی و بقاعی کے نزدیک ہر سورہ کا نام اپنے اصل مقصود کا ترجمان ہوتا ہے اس لیے سورہ کے نام اور اس کے مقصد کے درمیان تطبیق پیدا کرنے سے آیات کا ربط واضح ہوگا۔

۶- ہر سورہ کی ایک تمہید، نفسِ مضمون اور خاتمہ ہوتا ہے۔ تلاش نظم میں سورہ کے ان اجزائے ترکیبی کو ضرور ملحوظ رکھنا چاہیے۔[۴۷]

۷- سورہ کا آغاز اور اس کا خاتمہ، اسی طرح ایک سورہ کا خاتمہ اور اس کے بعد والی سورہ کا افتتاحیہ بھی نظم کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نظم کی جستجو کیوں ضروری ہے؟

قرآن حکیم کا ہر اسلوب عربوں کے اسلوب کے بالمقابل جہاں اپنے اندر جدت وندرت اور انفرادیت لیے ہوئے ہے وہیں حد سے زیادہ جامعیت، وسعت اور گہرائی وگیرائی بھی اپنے اندر رکھتا ہے۔ جس طرح عرب بہت سرعت کے ساتھ ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی طرف منتقل ہوتے رہے۔ ٹھیک وہی طریقہ قرآن نے بھی اختیار کیا ہے۔ مگر اس میں ایسی مہارت اور چابک دستی کا مظاہرہ کیا کہ عرب بھی باوجود اپنی زبان آوری کے دنگ ہو کر رہ گئے۔ لیکن بعد کے ادوار میں اپنے اسی حسن وکمال کی وجہ سے کچھ لوگوں کو وہ بے ربطی کا شکار محسوس ہونے لگا۔ حالانکہ اگر ایسا ہوتا تو سب سے پہلے عرب ہی اس کے خلاف آواز اٹھاتے۔ کیونکہ عرب غیر مربوط کلام پسند نہیں کرتے تھے۵ے۔

چونکہ قرآن مجید اپنے اس مخصوص اور منفرد اسلوب کے ذریعہ دین وشریعت اور حکمت وموعظت کی باتیں بیان کرتا ہے۔ خدا کے احکام وفرامین سناتا ہے اور بندگی کے اصول بتاتا ہے وہ خود اپنی صفت تبیانا لکل شئ بیان کرتا ہے۔ اس لیے اس پر غور وتدبر کرتے وقت سب سے پہلے اس کے نظم کو سمجھنا ضروری ہے تاکہ حکمت وہدایت کے جو موتی اس کی تہ میں خدا نے چھپا رکھے ہیں، حاصل کیے جاسکیں۔ امام رازیؒ کا یہ قول پیچھے گزر چکا ہے کہ قرآنی حکمت کا بڑا خزانہ اس کے نظم وترتیب میں پوشیدہ ہے۔ چنانچہ جن علماء نے اس جہان معانی کا کچھ مشاہدہ کیا ہے، ان پر بڑے عجیب وغریب اور اہم انکشافات ہوئے ہیں اور انھوں نے اس کے بڑے فوائد بتائے ہیں۔ مثلاً

۱- اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے کا ادراک ہوتا ہے اور یہ راز کھلتا ہے کہ فصاحت الفاظ اور بلندی معانی کے پہلو سے قرآن کے معجزہ ہونے کے ساتھ ساتھ وہ اپنی ترتیب اور آیات وسور کے نظم وارتباط کے پہلو سے بھی معجزہ ہے۶ے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲- اس سے دل میں ایمان راسخ ہوتا ہے اور قرآن مجید کی ترتیبی نوعیت واضح ہوتی ہے۷۷۔

۳- اس کا ایک اہم فائدہ یہ ہے کہ پورا قرآن از اول تا آخر مربوط ہوجاتا ہے۔ کلام کی قوت بڑھ جاتی ہے۔ اور تالیف کلام کا حال اس عمارت کی طرح ہوجاتا ہے جو نہایت محکم اور متناسب اجزا والی ہو۷۸۔

۴- اس سے کلام اللہ کی مراد سمجھ میں آتی ہے اور مضمون کلام پوری طرح واضح اور متعین ہوجاتا ہے۷۹۔

۵- متعدد احتمالات والی ان آیات کے حقیقی معانی واضح ہوجاتے ہیں جن میں مفسرین کرام نظم کا لحاظ نہ کرنے کی وجہ سے حیران و پریشان ہیں۸۰۔

۶- اس سے یہ راز کھلتا ہے کہ قرآن مجید میں واقعات وقصص کی تکرار کیوں ہوتی ہے؟۸۱۔

۷- اس سے مکرر آنے والی آیات کا راز اور اس کی حکمت واضح ہوتی ہے۔

۸- اس سے صحیح احادیث کا قرآن مجید سے ماخوذ ومستنبط ہونا معلوم ہوتا ہے۔

۹- اس سے روایتوں کی حقیقت سے واقفیت اور ان میں صحیح وضعیف کی تمیز حاصل ہوتی ہے۔

۱۰- اس سے نئے نئے احکام ومسائل اور معانی وحقائق کا انکشاف ہوتا ہے۔

۱۱- نظم قرآن سے قرآن مجید کی مسحور کن فصاحت وبلاغت آشکارا ہوتی ہے۔

۱۲- اس سے صحیح شان نزول کی شناخت ہوتی ہے۸۲۔

۱۳- اس سے غور وفکر کی راہیں کھلتی ہیں اور اللہ کے اس حکم پر عمل کی سعادت حاصل ہوتی ہے: أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا (محمد/۲۴) ۸۳۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے فوائد علماء نظم نے متفرق طور پر بیان کیے ہیں۔ یہ چند محض نمونے کے طور پر پیش کیے گئے ہیں تاکہ فہم قرآن کے لیے نظم کی اہمیت واضح ہوجائے اور اہل علم اس میں غور وفکر کی طرف متوجہ ہوجائیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حواشی ومراجع

۱ ابن منظور، لسان العرب، مادہ ن ظ م، دار صادر بیروت، الزبیدی، تاج العروس، المطبعۃ الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ

۲ زمخشری، اساس البلاغہ، مادہ نظم، دار المعرفہ بیروت، ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء

۳ فیروزآبادی، القاموس المحیط، نول کشور لکھنؤ، مادہ نظم؛ لسان العرب، مادہ نظم

۴ اساس البلاغہ، محولہ بالا

۵ بدالدین الزرکشی، البرھان فی علوم القرآن، دار التراث، قاہرہ، ج۱، ص۳۶؛ جلال الدین سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، تحقیق فواز احمد زمرلی، دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۲۵ھ/ ۲۰۰۴ء، ص۶۹۵

۶الف برہان الدین البقاعی، نظم الدرر فی تناسب الآیات والسور، طبع اول، دائرہ المعارف، حیدرآباد، ۱۳۸۹ھ/ ۱۹۶۹ء، ج۱، ص۶

۶ب حمید الدین فراہی، دلائل النظام، طبع اول، دائرہ حمیدیہ، مدرسۃ الاصلاح سرائے میر، ص۷۵

۷ علاء الدین محمد بن ابراہیم الخازن، لباب التاویل فی معانی التنزیل، المطبعۃ العامرہ، مصر ۱۳۲۸ھ، ج۱، ص۷

۸ خازن، ج۱، ص۷، ۸؛ زرکشی، ج۱، ص۲۳۶؛ الاتقان، ص۱۶۳-۱۶۴

۹ زرکشی، البرھان، ج۱، ص۲۶۰؛ الاتقان، ص۱۶۵

۱۰ الاتقان، ص۶۹۴؛ احمد بن ابراہیم بن الزبیر الثقفی، البرھان فی تناسب سور القرآن، تحقیق وتقدیم د: سعید الفلاح، جامع زیتونیہ، تیونس ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء، ص۶۳

۱۱ زرکشی، البرھان، ج۱، ص۲۶۵

۱۲ مصدر سابق، ص۳۱۱

۱۳ مصنف عبدالرزاق (تحقیق مولانا حبیب الرحمٰن)، ۳/۳۶۵ (حدیث نمبر ۵۹۸۸)

۱۴ ابن کثیر، عمدۃ التفسیر (اختصار وتحقیق احمد محمد شاکر)، دار المعارف، مصر، ۱۳۷۶ھ/ ۱۹۵۶ء، ۱/ ۴۸

۱۵ اتحاف الخیرہ المہرہ من بوصیری، ۸/ ۸۳ (حدیث نمبر ۷۸۳۹)

۱۵الف ابن ندیم، الفہرست، دار المعرفہ بیروت، بدون سنہ، ص۷۸

۱۶ احمد امین، ضحی الاسلام، طبع عاشر، بیروت، بدون سنہ، ج۲، ص۱۴۶

۱۷ فتحی احمد عامر، فکرۃ النظم بین وجوہ الاعجاز فی القرآن، قاہرہ، ۱۳۹۵ھ/ ۱۹۷۵ء، ص۵۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۸۔ ابن ندیم، الفہرست، ص۹۹
۱۹۔ فکرۃ النظم، ص۵۳۱
۲۰۔ نعیم الحمصی، فکرۃ اعجاز القرآن، طبع ثانی، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء، ص۶۱
۲۱۔ البرہان، ج۱، ص۳۶؛ الاتقان، ص۶۹۴
۲۲۔ سامی عطا، المناسبات بین الآیات والسور، ص۱۵،
۲۳۔ فکرۃ النظم، ص۶۸
۲۴۔ البرہان، ج۱، ص۳۱۱
۲۵۔ مصدر سابق، ج۱، ص۳۱۷
۲۶۔ فکرۃ اعجاز القرآن، ص۹۴، ۹۵؛ الاتقان، ص۷۱۳
۲۷۔ البرہان، ج۱، ص۳۶
۲۸۔ مصدر سابق
۲۹۔ نظم الدرر، ج۱، ص۸
۲۹۔الف البرہان، ج۱، ص۳۹
۳۰۔ البرہان، ج۱، ص۳۶؛ الاتقان، ص۶۹۴
۳۱۔ امام فخر الدین رازی، التفسیر الکبیر، ج۲۷، ص۱۳۴
۳۲۔ البرہان، ج۱، ص۳۹
۳۳۔ الاتقان، ص۷۱۵
۳۴۔ البرہان، ج۱، ص۳۵-۵۲
۳۵۔ مصدر سابق، ص۳۱۷
۳۶۔ مخدوم علی المہائمی، تبصیر الرحمن وتیسیر المنان، مطبع بولاق مصر، بدون سنہ، ج۱، ص۳
۳۷۔ نظم الدرر، ج۱، ص۵، ۶
۳۷۔الف حوالہ سابق، ص۱۵
۳۸۔ الاتقان، ص۶۹۳
۳۹۔ مصدر سابق
۴۰۔ جلال الدین سیوطی، اسرار ترتیب القرآن، تحقیق عبد القادر احمد عطا، دار الاعتصام، طبع ثانی ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء، ص۶۵-۶۶
۴۱۔ محمد سالم قدوائی، ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں، طبع اول، مکتبہ جامعہ دہلی، ۱۹۷۳ء،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ص۵۰

۴۲ عبیداللہ سندھی، شاہ ولی اللہ اوران کا فلسفہ، ص۹۶

۴۳ سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، مکتبہ اسلامی، دہلی، ج ۱، ص۲۴۲

۴۴ نظم الدرر، ج ۱، ص۱۱

۴۵ البرهان، ج ۱، ص۳۶

۴۶ اسرار التنزیل، ص۷۵

۴۷ الثقفی، البرهان فی تناسب سور القرآن، ص۷۸

۴۸ تفہیم القرآن، ج ۱، ص۲۰

۴۹ البرهان، ج ۱، ص۳۶؛ الاتقان، ص۶۹۵؛ البرهان فی تناسب سور القرآن، ص۶۵

۵۰ البرهان، ج ۱، ص۴۷

۵۱ مصدر سابق، ص۴۹

۵۲ مصدر سابق، ص۴۹

۵۳ الاتقان، ص۶۹۷

۵۴ امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، تاج کمپنی، دہلی، بار اول ۱۹۸۹ء، ج ۱، ص۲۶

۵۵ اسرار ترتیب القرآن، ص۷۸

۵۶ البرهان فی تناسب سور القرآن، ص۱۱۵

۵۷ اسرار التنزیل، ص۱۱۳

۵۸ اسرار ترتیب القرآن، ص۷۶؛ الاتقان، ص۷۰۱

۵۸الف دلائل النظام، ص۷۴، ۷۵

۵۹ الاتقان، ص۷۰۰

۶۰ البرهان، ج ۱، ص۳۸؛ الاتقان، ص۷۰۰

۶۱ الاتقان، ص۷۰۴

۶۲الف نظم الدرر، ج ۱، ص۱۹۔ علامہ سیوطی نے اس کے لیے النوع السابع عشر کا حوالہ دیا ہے۔
الاتقان، ج ۱، ص۷۰۴

۶۲ب دیکھیے ڈاکٹر ایاز احمد اصلاحی کا مضمون - ابن الزبیر الثقفی اور نظم قرآن- مشمولہ سہ ماہی نظام القرآن، ج ۲، شمارہ ۲، جولائی - ستمبر ۲۰۰۱ء، ص۶۳

۶۳ تفسیر کبیر، ج ۲۷، ص۱۳۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۶۴۔ نظم الدرر، ج۱،ص۱۸

۶۵۔ مصدر سابق، ص۱۳۷

۶۶۔ مصدر سابق

۶۶۔الف مصدر سابق، ص۱۹

۶۷۔ الاتقان، ص۶۹۷

۶۸۔ اسرار ترتیب القرآن، ص۶۶

۶۹۔ شاطبی، الموافقات فی اصول الشریعۃ، ج۳،ص۴۱۵

۷۰۔ ابن قیم، بدائع التفسیر، ۳/۳۷۰

۷۱۔ تدبر قرآن، ج۲،ص۲۴۶

۷۲۔ مصدر سابق، ص۳۰۴

۷۳۔ مصدر سابق، ص۳۹۳

۷۴۔ البرھان، ج۱،ص۲۶۴؛ الاتقان، ص۱۴۰۔ حمید الدین فراہی، تفسیر قرآن کے اصول، (مرتبہ خالد مسعود) کتاب وسنت اکیڈمی، دہلی، طبع اول ۲۰۰۲ء، ص۱۲۹

۷۵۔ تفصیل کے لیے دیکھیے مولانا عنایت اللہ سبحانی کی کتاب امعان النظر فی نظام الآی والسور، طبع اول ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء، ص۷۶ تا ۹۳

۷۶۔ البرھان فی ترتیب سور القرآن، ص۶۷

۷۷۔ نظم الدرر، ج۱،ص۱۳

۷۸۔ الاتقان، ص۶۹۵

۷۹۔ امعان النظر، ص۹۶؛ البرھان فی ترتیب سور القرآن؛ نظم الدر، ج۱،ص۵،۶

۸۰۔ نظم الدرر، ج۱،ص۱۳؛ امعان النظر، ص۹۶

۸۱۔ نظم الدرر، ج۱،ص۱۴؛ امعان النظر، ص۹۶

۸۲۔ یہ اور اوپر کے پانچ فوائد اور ان کے علاوہ بعض دوسرے فوائد کے لیے دیکھیے مولانا عنایت اللہ سبحانی کی کتاب امعان النظر فی نظام الآی والسور

۸۳۔ نظم الدرر، ج۱،ص۱۳-۱۴

☆☆☆

© rasailojaraid.com